یہودی اقتدار کا شرعی تجزیہ

اسرائیل

کتاب و سنت کی روشنی میں

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب

1898ء ــــــــ 1983ء
1315ھ ــــــــ 1403ھ

مکتبۃ العلوم الاسلامیۃ

العلامۃ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراتشی باکستان

اسرائیل

کتاب و سنت کی روشنی میں

تألیف

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ

1898ء ــــــ 1983ء

1315ھ ــــــ 1403ھ

سن طباعت

2021-۱۴۴۲

ناشر

مکتبۃ العلوم الاسلامیۃ

العلامۃ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراتشی پاکستان

فہرست مضامین

حرفِ گفتنی

یہود کا مغضوب وملعون ہونا دو ہزار سال کا مشاہدہ ہے اور تاریخ ہر زمانے میں ان کی ملعونیت ومغضوبیت پر مہر تصدیق ثبت کرتی رہی ہے؛ اس لیے یہود کے لیے غضب ولعنت اور ذلت ومسکنت صِرف قرآنِ حکیم ہی کا دعویٰ نہیں، بلکہ ان کی اپنی کتابِ مقدس ''یرمیاہ نبی کی کتاب'' میں بھی یہی مضمون موجود ہے۔

''میں ایسا کروں گا کہ یہود کے درمیان خوشی کی آواز اور خرمی کی آواز نہ رہے۔ دولہا اور دلہن کی خوشی، چکی کی آواز اور چراغ کی روشنی نہ رہے، اور ساری زمین میں یہود یہ ویران اور حیرانی کا باعث ہوگی۔'' (یرمیاہ کی کتاب 25-9-12) اس کے بعد ''یرمیاہ نبی'' کا نوحہ ہے۔

> ''خداوند نے اسرائیل کی جان کو آسمان سے زمین پر ٹپک دیا اور قہر کے دن اپنے پاؤں کی کرسی کو یاد نہ کیا، خداوند نے یعقوب کے سارے گھرانوں کو غارت کردیا، اور رحم نہ کیا، اس نے اپنے قہر میں یہودا کی بیٹی کے قلعوں کو مسمار کردیا، اس نے انہیں خاک کے برابر کردیا، اس نے اپنے قہر شدید سے اسرائیل کے ہر ایک سینگ کو کاٹ دیا۔'' (نوحۂ یرمیاہ 2-1-3)

پس یہود کو سزا دینا اور ان پر غضب متواتر ہونا صرف بعد از اسلام کی بات نہیں، بلکہ دو ہزار برس قبل از اسلام متواتر چلا آرہا ہے۔ لیکن قدرت کا یہ متواتر عمل جواب یکا یک بدل گیا اور خلافِ معمول یہود کو ظاہری تسلط نصیب ہوگیا، اس میں ہمارے لیے دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

اول یہ کہ:

بعض اوقات انبیاء علیہم السلام کو بھی ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ منکرین ومخالفین یہ کہنے

لگ جاتے تھے کہ پیغمبروں کی باتیں پوری نہیں ہوئیں اور مؤمنین میں بھی مایوسی کے اثرات پیدا جاتے تھے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿حَتّٰۤی اِذَا اسۡتَیۡـَٔسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوۡۤا اَنَّہُمۡ قَدۡ کُذِبُوۡا جَآءَہُمۡ نَصۡرُنَا ۙ فَنُجِّیَ مَنۡ نَّشَآءُ ؕ وَ لَا یُرَدُّ بَاۡسُنَا عَنِ الۡقَوۡمِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۱۱۰﴾﴾ [یوسف: 110]

ترجمہ: ''یہاں تک کہ جب رسولوں پر بھی مایوسی طاری ہونے لگی، اور لوگوں کو خیال ہوا کہ ان سے جو کچھ کہا گیا تھا وہ پورا نہ ہوا تب ہماری مدد پہنچی، پھر جس کو ہم نے چاہا اسے نجات مل گئی اور ہمارا عذاب مجرم قوموں سے کبھی نہیں ٹلتا۔''

لہٰذا یہود کی اس وقتی کامرانی سے ان کی مغضوبیت کا داغ نہیں دُھل جاتا، آخرکار خدا کا عذاب ان یہود پر بھی آکر رہے گا، جب یہودی قوم ساڑھے تین ہزار سال تک متواتر زیر غضب رہی اور در بدر کی خاک چھاننے کے باوجود مایوسی نہیں ہوئی، تو بڑی عجیب بات ہوگی اگر اہل اسلام عربوں کی اس عارضی شکست سے مایوس اور بددل ہوجائیں یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ''تکوینی'' ابتلاء ہے۔ آخر پیغمبروں پر بھی تو ایسے نازک حالات آتے رہے ہیں، کہ انہیں جھنجھوڑا گیا، حتیٰ کہ وہ گھبرا اٹھے اور بعض اوقات طول ابتلاء کی وجہ سے رسول اور اس کے ساتھی پکار اٹھتے۔

﴿مَتٰی نَصۡرُ اللّٰہِ﴾ ترجمہ: ''اللہ کی مدد کب ہوگی۔''

﴿اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ﴾ ترجمہ: ''یادرکھو اللہ کی مدد نزدیک ہے۔''

اسی طرح یہ سفاکی (خونریزی) واقعی بڑی شدید ہے اور سخت ترین آزمائش ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو صبر واستقلال، عزم وہمت اور خودشناسی سے کام لینے کی ضرورت ہے، یہ سر الٰہی اور خدائی بھید اپنے وقت پر کھلے گا۔

مسلمانوں کو ان لوگوں کی مثل نہ ہونا چاہیے کہ جن کے بارے میں ارشاد ہے کہ:

﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ﴾

[یونس: 39]

ترجمہ: ''بلکہ انہوں نے ایسی چیز کو جھٹلایا جس کا نہ انہیں پورا علم تھا نہ اس کا سبب ان کے سامنے تھا۔''

زیر نظر کتاب میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے اسی موضوع پر اپنے ژرف نگار قلم سے قرآنی حقائق کو واشگاف فرمایا ہے۔

حکومت اسرائیل اور قرآن کریم!

یہود کی موجودہ نام نہاد حکومت سے (جو بنام اسرائیل ۱۹۴۶ء میں عربوں کے جگر (فلسطین) میں قائم کی گئی ہے) بعض حضرات کو یہ خلجان دامن گیر ہے کہ وہ قرآن حکیم کی تصریحات کے خلاف ہے؛ اس لیے انہیں بمقتضائے ایمان یہ تشویش ہے کہ آخر خدائی دعووں کے خلاف یہ ہو کیسے گیا اور اسرائیل کس طرح قائم ہو گیا، جیسا کہ اس بارہ میں زبانی بھی جگہ جگہ احقر اسے استفسارات کیے گئے اور جواب طلب خطوط بھی موصول ہوئے، لیکن مجھے نہیں معلوم کہ ان حضرات کے اس شبہ کی بنیاد کیا ہے، اور وہ کونسی تصریحات قرآنی ہیں جو اس شبہ کی بنیاد بن سکتی ہیں؟ جہاں تک میرے ناقص علم کا تعلق ہے، قرآن حکیم میں یہود کی حکومت کے بارے میں نفیاً یا اثباتاً کوئی ایک اشارہ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے اس شبہ کی گنجائش پیدا ہو، چہ جائیکہ یہود کی مادی قوت کی تصریحات ہوں۔

یہود کے بارے میں قرآنی اعلانات:

قرآن کریم نے یہود کے بارے میں اصولی طور پر تنبیہی یا تعزیری قسم کے تین ہی اعلانات بالتصریح فرمائے ہیں:

ایک: ذلت و مسکنت۔

دوسرے: ان پر بے چینیوں کا تسلسل۔

اور **تیسرے:** دینی حجت و برہان میں ان کی دوامی مغلوبیت اور علمِ الٰہی اور ہدایت ربانی سے محرومی۔

پہلا اعلانِ ذلت و مسکنت

ذلت و مسکنت کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾

[البقرة: 61]

ترجمہ: ''اور ڈال دی گئی ان پر ذلت اور مسکنت اور پھرے وہ اللہ کا غصہ لے کر۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۚ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝﴾ [البقرة: 90]

ترجمہ: ''سو کما لائے غصہ پر غصہ اور کافروں کے واسطے عذاب ہے ذلت کا۔''

اس سے اتنا واضح ہوا کہ یہ قوم اپنی پشتینی سرکشی اور بغاوت کی وجہ سے غضب الٰہی میں آئی ہوئی ہے جس سے اس پر یہ مسکنت و ذلت کا عذاب مسلط ہوا۔ حقیقی ذلت تو یہ ہے کہ آدمی خدا کی نگاہ سے گر جائے اور وہاں سے پھٹکارا جائے، جسے ذلت باطنی کہنا چاہیے، ظاہری ذلت یہ ہے کہ انسان انسانوں کی نگاہوں سے گر جائے بے وقعت ہو جائے اسے کوئی اچھی نگاہوں سے دیکھنے والا نہ ہو، اور کس مپرسی کا عالم یہ ہو کہ کوئی اس کا پرسان حال نہ ہو۔

ان حالات کا طبعی تقاضا ہے کہ ایک درماندہ قوم جب دوسروں کی طرف سے ہر وقت محتاجگی، فروتنی، بے حیثیتی اور تذلیل آمیز رویہ دیکھتی رہے تو اس کا دل مایوسیوں سے بیٹھ جاتا ہے اور احساسِ کمتری میں مبتلا ہو کر وہ خود بھی اپنی نگاہوں میں حقیر ہو جاتی ہے جو ذلت نفس ہے اور اسی کا نام مسکنت ہے۔

پس دنیوی ذلت کا حاصل دوسروں کی نگاہوں میں بے وقعت ہو جانا ہے اور مسکنت کا حاصل دوسروں کا دستِ نگر بن کر خود اپنی نگاہوں میں بے وقعت بن جانا ہے، مگر یہ سب ذلت باطنی ہی سے معرض خود ظہور میں آتا ہے ذلت باطنی سے یہ ساری ظاہری ذلتیں گاہ بے گاہ یکے بعد دیگر سے نمایاں ہوتی ہیں۔

اس ذلت و مسکنت کی وجہ بھی خود قرآن حکیم ہی نے ارشاد فرما دی کہ یہ ذلت و حقارت، ان پر کسی قوم کی دشمنی یا عداوت یا انتقام درزی کا نتیجہ نہیں، بلکہ خود ان کی ہی اپنی

ظاہری وباطنی سیاہ کاریوں کا ثمرہ ہے جسے حق تعالیٰ نے ان کے کرتوت پر مرتب فرمایا ہے۔ چنانچہ مذکورہ ذیل آیت میں اسے کھول دیا گیا ہے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴾ [آل عمران: 112]

ترجمہ: ''یہ اس لیے ہوا کہ نہیں مانتے تھے احکامِ خداوندی کو اور خون کرتے تھے پیغمبروں کا ناحق، یہ اس لیے کہ نافرمان تھے حد پر نہ رہتے۔''

جس کا حاصل یہ ہے کہ قانون حق کو محض نہ ماننا یا اس سے گریز اور انکار تو عام کفار کا شیوہ رہا ہے، مگر یہود اس سے بڑھ کر کھلے مقابلہ حق کے ساتھ جانتے بوجھتے تکذیبِ آیات اور قتلِ انبیاء کے بھی مرتکب ہوئے جنھوں نے انہیں یہ روزِ بد دکھایا، اور پھر ان دو شدید جرموں کے وبال سے پیدا شدہ سیکڑوں جرائم تمرّد و سرکشی، جمود و استکبار، کبر و رعونت، حرص و حسد، بد عہدی و بد معاملگی، مکر و فریب، نفاق انگیزی، دنیا سازی سازش پسندی، قانونِ بے زاری، اور عام اخلاقی سیاہ کاری وغیرہ وغیرہ جن کی تفصیلات سے سورۂ بقرہ بھری ہوئی ہے، ان کے وہ اوصاف قبیحہ ہیں جنھوں نے انہیں مستحق ذلت و مسکنت بنایا، غضب الٰہی نے انہیں تاکا اور اس عذاب ذلت نے انہیں ہر طرف گھیر لیا، جس سے صاف واضح ہے کہ ان کی یہ ذلت اصل سے اخلاقی اور باطنی ہے گو کبھی کبھی اس کے آثار ظاہر میں بھی نمایاں ہو جاتے ہیں۔ جیسے عموماً فساق و فجار اپنی اخلاقی اور بد عملی کی وجہ سے اوّلاً اللہ کے نزدیک ذلیل ہوتے ہیں جس کے معنی ذلت باطنی کے ہیں، پھر مخلوق کی نگاہ سے بھی گر جاتے ہیں جس کا حاصل ذلت ظاہری ہے، پھر ذلتِ باطنی کے معنی عند اللہ نامقبول ہو جانے کے ہیں کہ حق تعالیٰ کی نگاہِ رحمت ان سے ہٹ جائے وہ پھٹکارے جائیں، اور ان سے توفیق ہدایت اور داعیۂ توبہ واستغفار سلب ہو جائے العیاذ باللہ۔

اور ذلت ظاہری کے معنی عند الناس نامقبول ہو جانے کے ہیں کہ لوگوں میں ان کی

وقعت اوران کا کوئی وقار باقی نہ رہے اور کس مپرسی کی حالت پیدا ہو جائے:

عزیز سے کہ از در گہش سر تبافت

بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

چونکہ قرآن حکیم نے ﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ﴾ [البقرة: 61] میں ذلت کو بلا کسی قید کے مطلق ذکر فرمایا ہے، اس لیے یہود پر یہ دونوں ہی ذلتیں (ذلت ظاہری اور ذلت باطنی) مسلط کی گئی ہیں، ذلت باطنی سے وہ عند اللہ نا مقبول ہو گئے اور پھٹکارے گئے اور ذلت ظاہری سے وہ عند الناس حقیر ذلیل اور بے رتبہ ہو گئے۔

یہود کی باطنی ذلت کی قرآنی تفصیل

چنانچہ قرآن حکیم نے ان کے عند اللہ نا مقبول ہو جانے پر تو یہ تفصیلی روشنی ڈالی ہے کہ:

﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝﴾ [الأعراف: 146]

ترجمہ: ”میں پھیر دوں گا اپنی آیتوں سے ان یہود کو جو تکبر کرتے ہیں زمین میں ناحق، اور اگر دیکھ لیں ساری نشانیاں تو ایمان لاویں ان پر، اور اگر دیکھیں رستہ ہدایت کا تو نہ ٹھہراویں اس کو راہ، اور اگر دیکھیں رستہ گمراہی کا تو اس کو ٹھہرا لیں راہ؛ یہ اس لیے کہ جھوٹ جانا ہماری آیتوں کو اور رہے ان سے غافل۔“

ظاہر ہے کہ آیاتِ الٰہیہ سے انہیں پھیر دینے اور ہدایتِ الٰہی سے انہیں منقطع کر دینے کا حاصل اس کے سوا اور کیا ہے کہ توجہات الٰہیہ ان کی طرف مبذول نہیں رہیں، رحمتِ حق سے دور کر دیئے گئے، توفیقِ حق چھن گئی اور راندۂ درگاہ ہو گئے، جس سے نہ ان میں دینی فہم باقی رہا نہ دینی فراست، بلکہ دل ٹیڑھے اور کج ہو گئے کہ بھلی چیز بُری نظر آنے لگی اور بُری

چیز بھلی، اسی حقیقت کو دوسری جگہ قرآن نے لعنت کے کلمہ سے تعبیر فرمایا ہے، جو یہود ہی کے اقرار کج ادائی کے ساتھ ارشاد فرمائی گئی ہے:

﴿وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَل لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ﴾

[البقرة: 88]

ترجمہ: ''اور (یہ یہود) کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر غلاف (پڑ گیا) ہے، نہیں بلکہ لعنت کی ہے اللہ نے ان پر ان کے کفر کے سبب۔''

کہیں فرمایا:

﴿فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً ۖ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ ۙ وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ﴾ [المائدة: 13]

ترجمہ: ''سو ان کے عہد توڑنے پر ہم نے ان پر لعنت کی (رحمت سے دور کر دیا) اور کر دیا ہم نے ان کے دلوں کو سخت، پھیرتے ہیں کلام کو اس کے منشاء سے اور بھول گئے نفع اٹھانا اس نصیحت سے جو ان کو کی گئی تھی۔''

ایک جگہ فرمایا:

﴿وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۚ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ [البقرة: 89]

ترجمہ: ''اور پہلے سے تو فتح مانگتے تھے کافروں (مشرکین مکہ) پر، پھر جب پہنچا ان کو (وہ) جس کو پہچان رکھا تھا، تو اس سے منکر ہو گئے۔ سو لعنت ہو اللہ کی منکروں پر۔''

کہیں فرمایا گیا کہ انبیاء نے بھی بنی اسرائیل پر لعنت بھیجی ہے۔

﴿لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُودَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ﴾ [المائدة: 78]

ترجمہ: ''بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر حضرت داؤد اور عیسیٰ

ابن مریم علیہ السلام کی زبان سے لعنت کی گئی۔''

ظاہر ہے کہ لعنت کے معنی ہی دور پرے کر دینے اور دھتکار دینے کے ہیں جوان کے قلوب کے اقرار کردہ کجی، قساوتِ قلبی، تحریف وتکذیب اور جانتے بوجھتے انحراف وڈھٹائی سے ان پر آپڑی اور ظاہر ہے کہ جسے خدا اور رسول دھتکار دیں اسے علمِ دین اور معرفتِ خداوندی ہی میسر نہیں آسکتی۔ چہ جائے کہ دینی بصیرت اور حجت وبُرہان کی کوئی علمی طاقت ان میں پیدا ہو جو ذلتِ باطنی کی انتہا ہے، بہر حال آیات ربانی اور ان کے صحیح فہم کا ان سے ہٹالیا جانا ہی ذلت باطنی ہے جو خدا کی بارگاہ میں ذلیل ہو جانے کی صورت ہے۔

یہود کی ظاہری ذلت کی قرآنی وضاحت

اِدھر ذلت ظاہری کے بارے میں بھی قرآنِ عزیز نے ان واقعات کی طرف اشارے فرمائے ہیں جن کی رو سے دنیا کی مختلف اقوام میں یہود کی بے عزتی اور توہین و تذلیل ہوتی رہی ہے۔ بخت نصر نے ان پر کیا کچھ یلغار نہیں کی، اس کی فوجوں نے اسرائیلوں کے گھروں میں گھس کہ کتنوں ہی کو بے عزت کیا کتنوں کو تہ تیغ کیا، کتنوں کو قید وبند میں جکڑ کے ساتھ لے گیا اور آخر کار ساری ہی قوم کو غلامی کی زنجیروں میں باندھ کر رکھ دیا گیا۔ جس کی طرف قرآن نے اشارہ فرمایا:

﴿ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ۝ ﴾ [الاسراء: 5]

ترجمہ: ''پس جب آیا پہلا وعدہ بھیجے ہم نے تم پر اپنے بندے سخت لڑائی والے (یعنی بخت نصر کی فوجیں) پھر پل پڑے شہروں کے بیچ اور وہ وعدہ پورا ہونا ہی تھا۔''

اس کے بعد یہود پنپے اور سنبھلے، مگر سنبھل کر دولت افزونی اور وسائل، دنیا کی فروانی نے پھر اسی سیہ باطنی اور سیہ کاری کی جبلی خوئے بد پیدا کر دی اور اپنی اس ملعونیت پر پھر آگئے، تو ٹیٹس رومی مسلط ہوا، اور اس نے بخت نصر کے مظالم کو بھی مات کر دیا، بنی اسرائیل

کو قتل وغارت کیا، ان کی بے عزتی کی، توراۃ کو جوتوں سے روندا، مسجدِ اقصیٰ کو پلیدی سے بھرا اور سب کے سب کو پھر غلامی کی مصیبت میں پھانس کر رکھ دیا۔ جس کے بارے میں قرآن نے ارشاد فرمایا:

﴿فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءُا وُجُوْهَكُمْ وَ لِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ لِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا﴾ [الإسراء: 7]

ترجمہ: ''پھر جب پہنچا وعدہ دوسرا (بھیجے) دوسرے بندے (ٹیٹس رومی کی افواج) کہ اداس کریں تمہارے منہ (یعنی تمہارے حلیے بگاڑ دیئے) اور گھس جائیں مسجد میں جیسے گھس گئے تھے پہلی بار، اور خراب کر دیں جس جگہ غالب ہوں پوری خرابی۔''

پھر قرآن شریف آنے کے بعد جب توراۃ کی طرح اس کتاب الٰہی کو بھی انہوں نے لاپرواہی سے پس پشت ڈالا، اور نہ صرف انکار ہی کیا، بلکہ اسی تکذیبِ رُسل حتیٰ کہ قتلِ انبیاء کی جبلی عادت سے حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے مقابلہ پر بھی آئے، بدعہدیاں کیں، سازش کر کے مشرکین مکہ کو مدینہ پر چڑھا لائے، حضور ﷺ کے قتل کی سازش کی، زہر خورانی کے مرتکب ہوئے، تو آخر کار باذن خداوندی پھر ذلیل ہوئے مدینہ سے جلاوطن کیے گئے، کتنے ہی جان سے گئے، اور کتنوں ہی کی املاک ختم ہو گئیں جس سے پھر اسی موعود ذلت کا شکار ہوئے جس کی طرف قرآن حکیم میں ارشادات موجود ہیں۔

جن سے واضح ہے کہ ذلت باطنی کے ساتھ جو اصلی ذلت ہے، ذلت ظاہری بھی ان کے گلے کا ہار رہی اور وہ جس خطے میں بھی جا کر بسے یہ ذلت ان کے ساتھ رہی، خواہ ایشیا ہو یا یورپ، امریکہ ہو یا افریقہ، جہاں بھی رہے کہ کسی قوم نے ان کا کوئی اخلاقی وقار نہیں مانا۔

چنانچہ قرآن حکیم نے ان پر ذلت کی مہر کرتے ہوئے ﴿اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا﴾ [آل عمران: 112] کا کلمہ بھی ارشاد فرمایا تھا، جس کے معنی یہی ہیں کہ وہ جہاں بھی پائے

جائیں اور جس وطن میں بھی ہوں یہ ذلت ان کے ساتھ ہے اور کسی بھی قوم کے دل میں ان کی اخلاقی وقعت وحرمت قائم نہ ہوگی۔

چنانچہ اس ظاہری ذلت کا مظاہرہ جیسے وہ فلسطین بابل اور رُوم وغیرہ میں دیکھتے آ رہے تھے، اس دور میں بھی وہ منظر ان کے سامنے رہا اور یہود کی یہ ذلت وحقارت دنیا میں کچھ ایسی پھیلی اور ہمہ گیر ہوئی کہ ایک مسلمان ہی انہیں مغضوب نہیں جانتے رہے بلکہ آج کی اور قومیں بھی انہیں ایسا ہی حقیر سمجھتی رہیں، آپ نے جنگ عظیم کے موقع پر اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ جنگ سے پہلے جب یہودی جرمن میں آباد تھے تو برلن کے ہوٹلوں پر بورڈ آویزاں تھے کہ ''کیا اور یہودی اس ہوٹل میں داخل نہیں ہوسکتا۔''

جرمنوں نے انہیں ''دنیا کی قوموں کا خون چوسنے والی قوم'' کا خطاب دیا، جو انتہائی حقارت وآمیز خطاب ہے، جس سے انگلستان کے باشندوں کو بھی انکار نہ تھا، جرمنوں کا انہیں بیک بینی ودو گوش اپنے ملک سے باہر نکال پھینکنا کیا ان کی ذلت ومسکنت کا کچھ کم ثبوت ہے؟

مسلم حکومتوں میں بھی جہاں جہاں یہودی آباد ہیں، گو ان پر مسلمانوں نے کوئی زیادتی نہیں کی، نہ انہیں کوئی ایذا پہنچائی، مگر ان کی عرفی حیثیت کو وہ بھی نہ بدل سکے اور ذلت کا عنصر بہر صورت قائم رہا۔

علامہ رشید رضا مصری مدیر المنار نے قاضی بیضاوی کی حسب ذیل عبارت نقل کی ہے جس سے اس دور میں یہود کا ہر ملک میں بے وقعت اور ذلیل رہنا نمایاں ہے۔

''فاليهود صاغرون أذلآء أهل مسكنة ومدقعة إما على الحقيقة وإما لا لتضاغوهم و تفاقوهم خيفة أن تضاعف عليهم الجزية.''

''پس یہود حقیر ذلیل اہل مسکنت اور پٹی کٹی قوم ہیں حقیقتاً یا بتکلف اپنے کو حقیر اور فقیر ومسکین دکھلانے سے تا کہ جزیہ ان پر (بوجہ ان کی مالداری کے) زیادہ نہ بڑھ جائے۔''

جس کا حاصل یہ ہے کہ حقیقتاً جتنی ان کی ذلت و مسکنت تھی وہ اسے تصنّع اور بناوٹ سے اور بھی زیادہ کر کے دکھلاتے تھے؛ تاکہ اس بناوٹی غربت اور مفلوک الحالی کی وجہ سے جزیہ کی مقدار نہ بڑھ جائے جو خود ایک مستقل ذلت و مسکنت کی نشانی تھی، ورنہ خوددار اقوام تصنع سے اگر سعی کرتی ہیں تو یہ کہ اپنی کم حیثیتی کو چھپا کر کچھ اپنا وقار دکھلائیں اور اپنے کو اتنا نہ گرائیں کہ کم حیثیتی کا پردہ اس طرح فاش ہو۔

یہ حالت تو سابقہ دور کی ہے، اپنے دور کے بارے میں علامہ ممدوح آگے لکھتے ہیں:

''وهذا الوصف أكثر انطباقا عليهم في أكثر البلاد في ذلك العصر.'' (المنار: 29/4)

''اور (یہود کی) یہ حالت (جو بیضاوی نے بیان کی ہے) آج بھی بکثرت ان پر عام بلاد میں منطبق ہے۔''

جس سے واضح ہے کہ سلف وخلف میں ان کی ذلت ایک جانی پہچانی چیز تھی، خواہ یورپ میں رہے یا ایشیاء وغیرہ میں، حتیٰ کہ عیسائی بھی انہیں ذلیل جانتے تھے، کہاں ہٹلر انہیں ذلیل کر کے دیس نکالا دے اور کہاں برطانیہ اور امریکہ اپنی منحوص اغراض کی خاطر مسلمانوں سے بدعہدی اور دغابازی کر کے ان کے سر پر ہاتھ رکھیں اور انہیں فلسطین میں بسا کر اسرائیل کا لیبل لگائیں؛ تاکہ عربوں کی قوت توڑی جاسکے، ورنہ اس سے پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا کہ یہودی قوم من حیث القوم کوئی زندہ قوم ہے بھی یا نہیں؟ اور یہ کہ اسرائیل کا مفہوم کیا ہے؟

اسرائیل سے یورپ کی پُرفریب ہمدردی

مسٹر بالفورڈ وزیر اعظم برطانیہ نے اسرائیل کی داغ بیل ڈالتے ہوئے یہود کے بارے میں بہت ہمدردانہ اور معصومانہ انداز میں فرمایا تھا کہ:

''آخر اس بے بس قوم (یہود) کے لیے بھی تو دنیا میں کوئی وطن ہونا چاہیے۔''

(جو خود ان کی ذلت کا اعتراف اور اعلان ہے)

مگر سوال یہ ہے کہ اگر یہودی اقوام کے ساتھ باوجود ان کی ذلت وحقارت کو دلوں میں چھپائے رکھنے کے یہی ہمدردی تھی تو انہیں یورپ کے کسی خطہ میں کیوں نہ بسا دیا گیا، جب کہ یورپین ممالک میں بہت سے خطے غیر آباد بھی پڑے ہوئے ہیں جن میں آبادکاری کے وہ خود بھی خواہشمند ہیں، اس کے باوجود عربوں کا ملک توٹکرے ٹکرے کر کے یورپ سے ہزارہا میل دوران کا وطن فلسطین میں بنایا گیا مگر یہ گوارہ نہیں کیا گیا کہ انہیں اپنا منہ بولا بھائی سمجھ کر یورپ میں برابر لا بٹھا دیا جاتا اور ان کا وطن وہیں بنا دیا جاتا؛ اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ یورپ کے نزدیک بھی یہ ذلیل قوم اس لائق نہ تھی کہ اسے یورپ میں جگہ دے کر اس ذلت ومسکنت کی پوٹ کو اپنے سر پر لادا جاتا۔

قرین مصلحت یہی سمجھا گیا کہ اپنے ملک کو اس قوم سے دور اور پاک رکھنے کے لیے بلکہ ساتھ ہی یورپین یہودیوں کو بھی ایشیاء میں ڈھکیلنے کے لیے انہیں مغربی ایشیا میں ڈھکیل دیا جائے، تاکہ ایک پنتھ دو کاج کے اصول پر بظاہر ان کے ساتھ ہمدردی بھی قائم رہے اور اِدھر عرب بآسانی بے طنی کے مصائب وآفات کا شکار ہو کر یورپ کے تابع فرمان بننے پر مجبور ہو جائیں، ان کی جمعیت بھی ٹوٹ جائے اور وہ یورپ کو براہِ راست آنکھ دکھانے کے قابل بھی نہ رہیں، کیا اس سے یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ فلسطین میں یہود کی آبادکاری بھی انہیں ذلیل وحقیر سمجھنے کا نتیجہ ہے تاکہ ایک تیر سے دو شکار ہو جائیں۔ یورپ سے یہ ذلت و مسکنت کی بلا بھی ٹل جائے اور عربوں کی قوت میں ٹوٹ جائے اور ساتھ ہی یہود کے ساتھ ہمدردی کی نمائش بھی قائم رہے۔

یہود کی ذلت دائمی کی حقیقی وجہ

بہر حال یہود کی ذلت ومسکنت متمدن اور باشعور دنیا کا ایک متفق علیہ مسئلہ رہا ہے، اور جوں ہی قرآن کریم نے ان پر ذلت ومسکنت کی مہر لگائی ویسے ہی ساری دنیا نے انہیں ذلیل سمجھنا شروع کر دیا اور جس دم وہ خدا کی نگاہ سے گرے اسی آن اقوامِ عالم کی نگاہوں سے بھی

گرتے چلے گئے جس سے صاف نمایاں ہے کہ اس قوم کی یہ ذلت ومسکنت انسانوں کی طرف سے ان پر نہیں ڈالی گئی، بلکہ محض خدا کی طرف سے ہے؛ کیونکہ جو ذلت انسانوں کو انسانوں کی طرف سے دی جاتی ہے، وہ طبعاً اتنی ہمہ گیر نہیں بن سکتی کہ دنیا کی ہر باشعور قوم کا ضمیر اس سے متاثر ہو جائے۔ اگر یہود کی ذلت کسی قوم کی دشمنی یا تحقیر آمیز رویہ یا اس کی قوت وشوکت کے دباؤ کا نتیجہ ہوتی تو وہ یقیناً مقامی اور وقتی ہوتی، ہمہ وقتی اور ہمہ وطنی نہ ہوتی اور اس پر ﴿ أَيْنَ مَا ثُقِفُوٓا ﴾ [آل عمران: 112] (جہاں بھی ہوں ذلیل ہی ہوں گے) کی چھاپ نہیں لگ سکتی تھی، کیونکہ تذلیل کردہ قوم اگر ذلت آفریں وطن سے ہجرت کر کے کسی دوسرے وطن میں چلی جائے تو یقیناً اس کی ذلت ختم ہو جاتی ہے اور وہ اس جدید وطن میں اطمینان کا سانس لے کر اپنا سرمایہ عزت پھر جمع کر لیتی ہے، یا اگر کسی قوت وشوکت کے دباؤ سے کسی طبقہ کے ساتھ تحقیر آمیز امتیازی سلوک کیا جاتا ہے تو جب اس قوم کا دباؤ ختم ہو جاتا ہے (جو اس فانی اور متغیر دنیا میں عادتاً ہوتا رہتا ہے) جب ہی وہ ذلت وحقارت بھی ختم ہو جاتی ہے۔

آخر انہیں یہود کو فرعون نے کیا کیا ذلتیں نہیں دیں اور کس کس انداز سے حقیر و ذلیل نہیں بنایا۔ مگر فرعون اور اس کی شوکت کے ختم ہوتے ہی ان کی وہ ساری ذلتیں بھی ختم ہو گئیں اور ان کی وہی سابقہ عزت وفضیلت پھر لوٹ آئی۔ پھر بخت نصر نے بنی اسرائیل کو کیا ذلیل و رسوا نہیں کیا حتیٰ کہ اپنے نزدیک انہیں جڑ بنیاد ہی سے اکھاڑ پھینکا تھا۔ لیکن یہ دور بھی بخت نصر کے گزرنے سے گزر گیا اور آخر کار بنی اسرائیل پھر اپنے سابقہ عروج واقتدار پر آ گئے۔

بہر حال دنیا کی کسی قوم کی طرف عائد کردہ ذلت وحقارت نہ حقیقی ہوتی ہے نہ ہمہ جہتی، لیکن خدا کی طرف سے اگر کسی قوم پر پھٹکار پڑ جائے تو پھر نہ اس کا اٹھانے والا ہی بجز خدا کے کوئی دوسرا ہو سکتا ہے اور نہ ہی وہ مقامی اور وقتی ہوتی ہے، بلکہ ہمہ گیر اثرات اختیار کر لیتی ہے، بالخصوص جب کہ وہ مذل حقیقی خود ہی یہ بھی فرما دے کہ:

﴿اَیۡنَ مَا ثُقِفُوۡۤا﴾ [آل عمران: 112]

ترجمہ: ”یہود جہاں بھی رہیں گے ذلیل ہوں گے۔“

اور اس ذلت کو بھی ضرب کے لفظ سے ظاہر فرمائے کہ جیسے سکتہ پر ٹکسال میں مہر کی ضرب لگا کر اس کا نقش سکہ کے جگر میں پیوست کر دیا جاتا ہے جو سکہ کی بقاء تک اس سے نہیں چھوٹتا، ایسے ہی یہود پر ذلت و مسکنت کی مہر مار کر اس کا نقش ان کے نفوس میں پیوست کر دیا گیا ہے جو ان کی بقا تک ان سے بجز خدائی علاج کے نہیں چھوٹ سکتا؛ اس لیے یہ ذلت مقامی یا ہنگامی نہیں رہی بلکہ اقوامِ عالم کے قلوب میں پھیل گئی، حتیٰ کہ وہ بھی اس سے نہ بچ سکے جو بظاہر یہودیوں کی حمایت کا دم بھر رہے ہیں۔

پس یہود کی یہ ذلت و مسکنت ایشیاء، یورپ، امریکہ، افریقہ وغیرہ میں خود بخود پھیل گئی جو اسی خدائی اعلان اور خدائی قہر کا نتیجہ ہے اور آج تک محسوس و شاہد بنا ہوا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایک ایسی ذلیل و مسکنت شعار اور محتاج و مقہور قوم طبعاً کبھی چین اور سکھ نہیں پا سکتی؛ کیونکہ اپنی اندرونی خرابیوں اور باہر کی پیاپے تذلیوں اور بے اعتنائیوں سے اس قوم کا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے اور وہ مایوسی کی اندرونی کوفت اور قلق و اضطراب سے کسی وقت بھی اطمینان و سکون کا سانس نہیں لے سکتی جیسا کہ عموماً جرائم پیشہ قوم کا قلب ہمیشہ بے اطمینانیوں کا مرکز رہا کرتا ہے ممکن نہ تھا کہ یہود جیسی جرائم شعار قوم کا یہی حشر نہ ہوتا۔ ساتھ ہی ایسی اقوام کا ماحول بھی ان کی ایذاء رسانی سے خالی نہیں رہ سکتا جیسا کہ عادت اللہ اور عرفِ عام یہی ہے۔

قرآن حکیم نے اس اذیت یابی کی حقیقت کو بھی جو اخلاقی ذلت کے ثمرات میں سے ہے خود ہی ارشاد فرما دیا کہ:

﴿وَ اِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَیَبۡعَثَنَّ عَلَیۡهِمۡ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ مَنۡ یَّسُوۡمُهُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ﴾ [الإعراف: 167]

ترجمہ: ''اور وہ وقت یاد کرنا چاہیے کہ جب آپ کے رب نے یہ بات بتلادی کہ وہ ان یہود پر قیامت (کے قریب) تک ایسے (کسی نہ کسی) شخص کو ضرور مسلط کرتا رہے گا جو ان کو سزائے شدید کی تکلیف پہنچاتا رہے گا۔''

جس سے واضح ہے کہ حق تعالیٰ اس قوم کو کبھی چین سے نہیں بیٹھنے دے گا اور تا قیامت ان کی تعذیب اور مصیبت زدگی کے لیے ایسے لوگوں کو وقتاً فوقتاً کھڑا کرتا رہے گا جو انہیں ذلت آمیز طریقوں سے پراگندہ خاطر اور بے چین بناتے رہیں گے، اور ساتھ ہی وہ اپنی اندرونی شرارتوں کو محسوس کر کے اندرونی اذیت اور کوفت سے کبھی خالی نہیں رہیں گے؛ جن کی حقیقی وجہ وہی ہے کہ اس قوم نے قتلِ انبیاء اور تکذیبِ رُسل کی راہوں سے ہمیشہ انبیاء کرام علیہم السلام اور صلحائے ملت کو اپنے اپنے وقت میں بے چین رکھا اور ستایا، اور بحالت ناراضگی انبیاء ان کے حق میں طرح طرح کی آفات اور بے چینیوں کے سامان مہیا کرتے رہے؛ اس لیے وہ خود چین کہاں سے پا سکتے تھے؟ اور چین آتا بھی تو کہاں سے، جب کہ چین اور قلبی سکھ کا تعلق ذکر اللہ اور اہلِ ذکر کی طرف رجوع کرنے ہی میں پنہاں ہے جسے اس قوم نے کبھی نہیں اپنایا۔

مَنْ لَّا یَرْحَمْ لَا یُرْحَمْ.

جو کسی پر رحم نہیں کھاتا اس پر بھی رحم نہیں جاتا۔

مَنْ ضَحِكَ ضُحِكَ.

جو کسی کو ہنساتا ہے تو اسے بھی ہنسا جاتا ہے۔

مَن حَفَرَ بِئْرًا لِأَخِیْهِ فَقَدْ وَقَعَ فِیْهَا.

جو کسی کے لیے کنواں کھودتا ہے تو خود ہی اس میں گرتا ہے۔

بہر حال تاریخ شاہد ہے کہ یہود اور ان کی وجہ سے بیت المقدس ہمیشہ سے مصائب و آفات کا ہدف بنا رہا ہے۔

سیکڑوں بار بنی اسرائیل بنے اور بگڑے اور ان کے حق میں اوپر سے یہی ہوتا آرہا ہے کہ ان پر کوئی نہ کوئی مسلط ہوتا رہا اور انہیں بے چین بناتا رہا اور یہی ان کا مستقبل بھی ہے۔

یہ کہا جانا ممکن ہے کہ یہ سارے مہلکے آل یعقوب (بنی اسرائیل) کے لیے ہوں، عام یہودیوں کے لیے نہ ہوں جو مختلف اقوام میں سے آکر مذہب یہودیت میں شامل ہوگئے ہیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ مغضوب سے وابستہ بھی مغضوب ہی ہوجاتا ہے۔ اور پھر اس کا تجربہ بھی مشکل ہے کہ کون بنی اسرائیل میں سے ہے اور کون ابنائے یہودیت میں سے ہے؟ اس لیے حکم کے لحاظ سے بھی یہود اور بنی اسرائیل میں فرق کرنا مشکل ہے؟

یہود پر متبعین عیسیٰ علیہ السلام کی دائمی برتری

تیسرا قرآنی دعویٰ یہ ہے کہ یہود دینی حجت اور علم حق سے محروم ہوچکے ہیں، اور اپنی مسلسل شرارتوں کی وجہ سے ان کے قلوب اور فطرتیں اس حد تک مسخ ہوچکی ہیں کہ قبولیت حق کی استعداد ہی من حیث القوم ان سے رخصت ہوچکی ہے، جس سے وہ کبھی دینی حجت میں اپنے حریفوں پر غالب نہیں آسکتے، بلکہ ان سے ہمیشہ مغلوب اور پست رہیں گے، جب کہ علم صحیح ان سے رخصت ہوچکا ہے، جو بلاشبہ ان کی ذلت باطنی کی انتہا ہے۔

قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو خطاب فرماتے ہوئے ان

سے جو چار وعدے فرمائے تھے ان میں سے چوتھا وعدہ یہ تھا کہ!

﴿وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾

[آل عمران: 55]

ترجمہ: ”اور رکھوں گا (اے عیسیٰ) ان کو جو تیرے مطیع ہیں غالب ان لوگوں پر (یعنی یہود پر) جو (تیرا) انکار کرتے ہیں قیامت کے دن تک۔“

اس قرآنی دعوے کا مطلب یہ ہے کہ دینی حجت و برہان میں یہود پر ہمیشہ متبعین عیسیٰ فائق، غالب اور بالادست رہیں گے؛ چنانچہ الیٰ یوم القیمۃ کا لفظ اس کا واضح قرینہ ہے کہ

یہاں فوقیت سے دینی حجت کی فوقیت مراد ہے، مادی فوقیت مراد نہیں؛ کیونکہ مادی بالا دستی چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ نہ ہمیشہ کسی قوم کو حاصل رہی نہ رہ سکتی ہے۔ جب کہ مادہ ہی خود اپنی ذات سے متغیر ہے، تو اس کی فروعات کو بقاء ودوام کیسے میسر آسکتی ہے؟

چناں چہ دنیا میں قوموں کا عروج وزوال ایک ایسا مشاہدہ ہے جسے دل ہی نہیں آنکھیں بھی ہمیشہ سے دیکھتی آرہی ہیں:

قرآن حکیم نے بھی اقوام عالم کی تاریخ میں جگہ جگہ قوموں اور ان کے عروج کی بے ثباتی کو دکھلایا ہے، البتہ بقائے دوام جس چیز کے لیے ثابت کی ہے وہ صرف حق و صداقت اور اس کی حجت و بُرہان ہے کہ انجام کا پالا آخر کار اسی کے ہاتھ رہا ہے؛ چوں کہ یہاں متبعین عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ابد تک کی بالا دستی اور غلبہ کا وعدہ کیا گیا ہے؛ اس لیے عام حالات میں حق صداقت اور اس کی حجت و دلیل ہی کا غلبہ مراد ہوسکتا ہے جو ازل سے چلتا آیا ہے اور ابد تک چلتا رہے گا۔

مفسرین میں سے قتادہ، حسن بصری اور ابن جریج وغیرہ اسی طرف گئے ہیں۔ جیسا کہ روح المعانی میں یہ اقوال دیکھے جاسکتے ہیں۔

حقیقی متبعین عیسیٰ علیہ السلام کا مصداق صحیح!

رہے متبعین عیسیٰ، تو ظاہر ہے کہ وہ دو ہی قومیں ہوسکتی ہیں ایک نصاریٰ اور ایک مسلمان۔

قبل از بعثت خاتم الانبیاء ﷺ نصاریٰ ہی متبعین عیسیٰ تھے گو عام نصاریٰ بھی انجیل میں تحریف وتبدیل کے سبب یہود ہی کی طرح اپنی حق وصداقت اور اس کی سچی حجت و دلیل اپنے ہاتھوں کھو چکے تھے، جس کے ہوتے ہوئے ان کے بُرہانی غلبہ کے کوئی معنیٰ ہی نہیں ہوسکتے تھے، جیسا کہ قرآن نے دعویٰ کیا ہے:

﴿ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ﴾

[المائدة: 14]

ترجمہ: ”اور وہ جو کہتے ہیں اپنے کو نصاریٰ ان سے بھی لیا تھا ہم نے عہد ان کا، پھر بھول گئے نفع اٹھانا اس نصیحت سے جو ان کو کی گئی تھی۔“

لیکن پھر بھی حق ان سے کلیۃً منقطع نہیں ہوا تھا جیسا کہ زمانۂ فترت کے بارے میں خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد حق بنیاد ہے کہ جب آپ کی بعثت کا زمانہ قریب آیا تو حق تعالیٰ نے قلوب بنی آدم پر نگاہ ڈالی، اور سب اقوام کو غضب آلود نگاہوں سے دیکھا کہ کہیں بھی حق کا نشان باقی نہ رہ گیا تھا، الا غیر اہل الکتاب۔ بجز چند بچے کچھے بے یار و مددگار اہل کتاب کے جو اپنے دین کو بچائے ہوئے شہروں سے دور پہاڑوں کی گھاٹیوں، غاروں اور جنگلوں میں چھپے چھپائے پڑے ہوئے تھے، یعنی نہ ان کے ہاتھ میں دنیا کا کوئی وسیلہ ہی رہ گیا تھا اور نہ ہی ان کی کوئی سننے والا تھا، صرف حق اور استقامت ہی ان کی سب سے بڑی دولت تھی جو ان حالات میں بھی ان کے ہاتھوں میں محفوظ تھی؛ اس لیے حقیقتاً یہی لوگ متبعین عیسیٰ تھے جو بلاشبہ حجت و بُرہان میں یہود اور خود اپنے ہم قوم (بگڑے ہوئے نصاریٰ) پر غالب تھے مگر ان کا سننے والا کوئی نہ تھا؛ اس لیے انہوں نے دنیا سے کنارہ کشی اور ہجرت اختیار کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی جیسا کہ خود انبیاء علیہم السلام کی نوعیت بھی یہی رہی ہے کہ ان کی قوموں میں بھی جب کوئی ان کی سننے والا نہیں رہتا تھا اور قوم عذاب و ہلاکت کے کنارے سے آلگتی تھی تو یا انہیں جہاد کا حکم ملتا تھا یا ہجرت کا، جو ان کی استقامت اور ان کی حجت و بُرہان کی قوت اور غلبہ کی دلیل ہوتا تھا۔

اور جیسا کہ خود اس امتِ مرحومہ کے اہل حق کو بھی ہدایت دی گئی ہے کہ:

”جب غلبہ اہل باطل کا ہو جائے اور حق فروغ باطل کی وجہ سے زیر پردہ ہو جائے اور کوئی بھی حق کی سننے والا نہ ہو اور جہاد کی بھی قوت نہ رہے یا اس کا محل نہ ہو تو (اپنے دین کو بچانے کے لیے صرف اپنے کو سنبھالو کہ تمہیں گمراہ لوگ ضرر نہ پہنچا سکیں)۔“

اسی طرح نصاریٰ میں بھی خال خال اہل حق رہ گئے تھے۔ اس لیے مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ متبعین نصاریٰ سے حق کلیۃً منقطع نہیں ہوا تھا، اس لیے حجت وبرہان کا غلبہ بھی انہیں ہی ان بے حجت یہود پر حاصل تھا، گو مادی قوت ان اہل حق کے ہاتھ میں نہ تھی۔

بعثتِ نبوی کے بعد یہی اہل حق دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور اسلام آنے کے بعد نصاریٰ حق سے کلیۃً خالی رہ گئے؛ اس لیے اب متبعین عیسیٰ مسلمان ہی ثابت ہو سکتے ہیں جو حقیقی معنی میں حضرت مسیح علیہ السلام کے متبع ہیں کہ ان کی پیغمبرانہ عظمت کے قائل اور معتقد ہیں، انہیں اولوالعزم اور جلیل القدر پیغمبر مانتے ہیں، انہیں کلمۃ اللہ، روح اللہ اور عبداللہ یقین کرتے ہیں اور اس پر صدقِ دل سے ایمان لائے ہوئے ہیں، پھر نہ صرف مسیح علیہ السلام ہی کے عظمت کے دلدادہ ہیں، بلکہ ان کی لائی ہوئی شریعت کی حقانیت کے بھی قرآنی سند سے قائل اور معتقد ہیں۔

پس جیسے اور انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں کو مسلمان قرآنی سند سے جانتے ہیں اور مانتے ہیں، گو منسوخ العمل بھی سمجھتے ہیں اسی طرح بواسطہ قرآن وہ شریعت عیسوی کو بھی اپنے وقت کی سچی شریعت جانتے ہیں اور اعتقاداً اسے مانے ہوئے ہیں۔

اسی لیے قرآن کو ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ [آل عمران: 3] فرمایا گیا ہے وہ سب اگلوں کا تصدیق کنندہ ہے، جس کے معنی ہی شرعاً ماننے اور کمال یقین کے ساتھ معتقد ہو جانے کے ہیں؛ اس لیے حقیقی معنی میں متبعین عیسیٰ مسلمانوں کے سوا دوسری کوئی قوم نہیں، اور نہ ہو سکتی ہے۔

آج کے نصاریٰ حقیقی متبعین عیسیٰ نہیں ہیں:

رہے آج کے نصاریٰ جو اپنے کو عیسائی کہہ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اتباع کے مدعی ہیں سو حقیقی معنی میں نہ وہ متبعین عیسیٰ ہیں نہ متبع کہلانے کے مستحق ہیں، زیادہ سے زیادہ انہیں صرف قومی طور پر متبع کہا جائے تو کہہ دیا جائے جب وہ شریعت عیسوی کو طرح طرح کی

تحریفات اور ترمیمات سے مسخ کر کے محض قومی انداز سے اپنے سر پر لادے ہوئے ہیں۔

انہوں نے اس تحریف کردہ شریعت کی رو سے حضرت مسیح علیہ السلام کو بجائے عبداللہ کے ابن اللہ اور ثالث ثلثہ کہا، توحید عیسوی کو خیر باد کہہ کر تثلیث کے قائل ہوئے، ان کی عبدیت کو جس کا اعلان انہوں نے گہوارہ ہی میں کر دیا تھا الوہیت سے جا ملایا اور انہیں آلہ مجسد کہا، ان کی مقدس پاک اور خالص جنتی شخصیت کو بطور کفارہ تین دن کے لیے جہنمی مانا۔ العیاذ باللہ۔ ان کی لائی ہوئی کتاب (انجیل مقدس) کو تحریف در تحریف سے بے اصل بنایا اور پھر وہ جیسی بھی تھی اس کی بھی کوئی سند نہیں، بلکہ اصل کتاب ہی کا کوئی وجود نہیں، صرف تراجم ہیں اور وہ بھی باہم متخالف اور متضاد۔

ظاہر ہے کہ دین عیسوی میں ان خود رائیوں اور طرح طرح کی تبدیلیوں اور تحریفوں کے ساتھ آج کی بے اصل انجیل کو ماننا اور حضرت مسیح علیہ السلام کی اصلی شخصیت کو کھو کر مذکورہ اوصاف کی فرضی شخصیت کو تسلیم کرنا کیا مسیح کا حقیقی اتباع کہلایا جا سکے گا؟ ہرگز نہیں! ایک مسلمان ہی رہ جاتے ہیں جو قرآنی سند سے انہیں اصلی مسیح اور اسی منزل من اللہ اصلی انجیل پر ایمان لانے کی وجہ سے حقیقی معنی میں متبعین عیسیٰ کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔

متبعین عیسیٰ کا صحیح مصداق صرف مسلمان ہیں:

بہر حال متبعین عیسیٰ اپنی اپنی نوعیت سے دو قومیں نکلیں: اسلام سے قبل عیسائی اور اسلام کے بعد مسلمان، اور ظاہر ہے کہ قرآن نے عمومی رنگ میں دعویٰ کیا ہے کہ یہود پر حجت و بُرہان میں قیامت تک متبعین عیسیٰ غالب رہیں گے اور یہود ان سے ہمیشہ مغلوب، اس لیے اس آیت سے بلحاظ حجت و برہان یہود پر غلبہ اور فوقیت ان ہی دو قوموں کو حاصل رہا جو کہیں سیاسی بھی ہوتا رہا۔ مگر فوقیت سے قرآنی مقصد یہی دینی حجت کی فوقیت اور غلبہ ہے، البتہ سیاسی غلبہ سے اس نے انکار بھی نہیں کیا اگر وہ بھی کسی وقت ہو تو نصوص قرآنی کے خلاف نہیں۔

بہر حال یہود کی مغضوبیت کے بارے میں قرآن نے صراحۃً جو کچھ فرمایا وہ بنیادی طور

پر یہی تین باتیں ہیں:

ایک: ان پر ذلت و مسکنت کی مہر اور اس کے اسباب و آثار، اسباب کے درجہ میں ان کے کرتوت، اور آثار کے درجہ میں ان کی زبوں حالی اور احساس کمتری۔

دوسرے: خلق خدا کے ہاتھوں انہیں مسلسل اذیتیں پہنچتے رہنا جس سے انہیں کبھی چین نصیب نہ ہو اور کبھی بھی قلبی سکون نہ ملے۔

اور **تیسرے:** دینی حجت و برہان میں پستی اور مغلوبیت، بالفاظ دیگر صحیح علم و ہدایت سے محرومی اور ان کے حریفوں کا علم صحیح اور ہدایت الٰہی سے اپنے اپنے وقت میں اس حجت دینی میں ان پر غالب رہنا۔

یہود کی حکومت کی نہ قرآن نے نفی کی ہے اور نہ اثبات

ظاہر ہے کہ ان تینوں امور میں یہود کی دولت کا ذکر ہے نہ حکومت کا، نہ اس کی نفی کی گئی نہ اثبات، اس لیے یہود کی ان تین مذمتوں ذلت، اذیت اور بُرہانی مغلوبیت سے یہود کی دولت و حکومت کی نفی پیدا کرنا قرآن پر اپنی طرف سے ایک مضمون کا اضافہ کر دیتا ہے، جب کہ قرآن نے اس کا کوئی صریح ذکر ہی نہیں اٹھایا، نہ نفیاً، نہ اثباتاً۔

اندریں صورت اس مزعومہ اضافہ کے معیار سے ان کی دولت و حکومت کی نفی یا اثبات کرنا اپنے مفروضہ پر موافق مخالف بحث کرنا ہے قرآن سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ قرآنی تصریحات کے پیش نظر اگر انہیں دولت دنیا بھی کافی مل جائے اور کوئی رسمی اقتدار بھی میسر آجائے تو یہ ان کی اس ذکر فرمودہ قرآنی ذلت کے منافی نہ ہوگا۔ کیونکہ ذلت و مسکنت کے معنی ناداری اور مفلسی کے نہیں، بلکہ نگاہوں میں بے وقعتی اور بے مقداری کے ہیں، خواہ خدا کی نگاہ میں ہو یا مخلوق کی، جس کی بناء ذلیل قوم کے ناشائستہ اخلاق و اعمال ہوتے ہیں نہ کہ اس کی زرداری یا ناداری۔

ہوسکتا ہے کہ ایک قوم کافی دولت مند بھی ہو اور اپنی ناشائستہ حرکات کے سبب عام

نگاہوں میں بے وقعت اور ذلیل بھی ہو اور تکلیفیں بھی اٹھاتی رہے، آج کتنے ہی کروڑ پتی دنیا میں موجود ہیں، لیکن اگر وہ غیر مہذب اور بدکردار ہوں، اور دولت ہی کے نشے میں عیاشی، اوباشی، فحاشی اور سفا کی وچالاکی کے شکار ہوں تو دنیا کی آنکھ سے ان کی ذلت و بے وقتی کو ان کی دولت نہیں چھپا سکتی، بلکہ وہ متموّل ہو کر بھی ذلیل وخوار ہی رہیں گے، خواہ کتنے ہی بڑے سرمایہ دار ہوں، اگر یہ صورت نہ ہوتی تو آج سرمایہ دار اور مزدور کی جنگ چھڑ جانے کے کوئی معنیٰ ہی نہ ہوتے، اور دنیا کے بڑے بڑے سرمایہ داروں کو ایک مستقل مشن کی حیثیت سے ذلیل اور مبغوض نہ سمجھا جاتا۔

اس لیے آج اگر یہود میں بے شمار دولت بھی مان لی جائے جس کا کافی زمانہ سے ڈھول پیٹا جارہا ہے اور جس کے افسانے آج بکثرت زبان زد ہیں تو یہ ان کے عنداللہ یا عندالناس باعزت ہونے کی دلیل ہے، نہ ان کی سکہ زدہ ذلت کے منافی ہے؛ کیونکہ دولت نہ خود صلاحیت کا معیار ہے نہ مقبولیت کا۔

پھر بھی واقعات کو دیکھا جائے تو یہود کی دولت کے افسانے، افسانوں سے زائد ہیں ان میں افراد بلاشبہ لکھ پتی اور کروڑ پتی ہیں، لیکن قوم من حیث القوم مفلس و نادار ہے جو چند افراد کے تموّل سے متموّل نہیں سمجھی جاسکتی۔

یہ واقعہ ہے کہ آج کی اقوام میں یہود من حیث القوم مفلوک الحال اور افلاس زدہ قوم ہے، جس پر ذلت کے ساتھ ناداری بھی مسلط ہے۔

انسائیکلوپیڈیا کی ذیل کی عبارت پڑھیے جو مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے بصورت ترجمہ نقل فرمائی ہے، اس سے یہود کے قومی تموّل کی حقیقت بے نقاب ہوجائے گی اور وہ یہ ہے:

”عوام یہود دوسری قوموں سے کہیں زیادہ غریب ہیں، یہ اور بات ہے کہ ان کے چند افراد بہت زیادہ دولت مند ہیں۔“ (جیوش انسائیکلوپیڈیا: 61/1)

پھر اس کتاب کی یہ مترجم عبارت بھی ملاحظہ ہو۔

''گو یہود کا تموّل ضرب المثل کی حد تک شہرت پا چکا ہے، لیکن اہل تحقیق کا اتفاق ہے کہ یہود یورپ کے جس ملک میں آباد ہیں وہاں کی آبادی میں ان کے مفلسوں کا تناسب بڑھا ہوا ہے۔'' (جیوش انسائیکلو پیڈیا: 1/151)

جس سے صاف نمایاں ہے کہ یہود پر من حیث القوم ذلت و مسکنت کی طرح افلاس و ناداری بھی مسلط ہے، اور وہ اس لحاظ سے بھی دنیا کی نگاہوں میں ایک گری ہوئی اور بے وقعت قوم ہے جیسا کہ علامہ رشید رضا مصری کی عبارت اس بارہ میں گزر چکی ہے کہ دنیا بھی انہیں مفلوک الحال جانتی ہے اور وہ خود بھی اپنے کو حقیر و ذلیل ور مفلسوں کی حیثیت سے رکھتے ہیں تا کہ جزیہ کے اضافہ سے بچ سکیں۔ البتہ افراد ضرور ایسے ہیں کہ ان میں سے ایک ایک سرمایہ دار، ایک سرمایہ دار قوم کی برابر ہے۔

اس لحاظ سے اگر یہود کی قوم کو متمول قوم باور کر لیا جائے تو کیا بھی جا سکتا ہے، لیکن ان کی یہ مالداری ان کی ذلت کے منافی نہیں ہوگی۔ ایک ذلیل قوم دولت مند بن جائے تو دولت کو اس ذلت سے کبھی بھی عار پیدا نہیں ہوتا جب کہ قرآن اس بارے میں ساکت ہے۔ اور وہ صرف ذلت یہود ہی کے بارے میں ناطق ہے، تو یہ ذلت ان کے تموّل کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے اور ان کے افلاس کے ساتھ بھی۔

اسی طرح اگر کسی وقت کوئی ذلیل اور ناہنجار قوم اپنے ہتھکنڈوں اور چال بازیوں سے کسی وقت رسمی اقتدار کی شان بھی اپنے لیے مہیا کر لے، مگر اس کا ناشائستہ کردار نہ بدلے تو وہ ذلیل ہی شمار ہوگی خواہ اس کے ہاتھ میں کتنی ہی پولیس اور فوج کی طاقت بھی ہو۔

پس دولت اور قومی اجتماعیت ذلت کے منافی نہیں، جب کہ عزت و ذلت کا تعلق کردار اور اخلاق سے ہے، دولت و حکومت سے نہیں۔

دولت واقتدار کے ساتھ ذلت جمع ہو سکتی ہے!

احادیث نبوی میں فرمایا گیا ہے کہ وقت آئے گا کہ اُمراءِ دُول ایسے لوگ بن جائیں

گے کہ تم ان پر لعنت کروگے اور وہ تم پر، یعنی انہیں حقیر و ذلیل سمجھوگے اور وہ تمہیں اپنا نافرمان:

علاماتِ قیامت ہی میں یہ بھی فرمایا گیا کہ دنیا کے آخری دور میں ننگ پیرے، ننگ سرے اور اور چرواہے قسم کے جنگلی، غیر مہذب لوگ برسر اقتدار آجائیں گے۔

علاماتِ قیامت ہی میں یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ:

لکع ابن لکع (خسیس ابن خسیس) قوم کا سردار ہوگا۔

ظاہر ہے کہ یہاں رسمی اقتدار کے باوجود اس قسم کے لوگوں کے ذلیل ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے۔ بہرحال جب ان احادیث میں اقتدار کے باوجود بھی انہیں ذلیل ہی کہا گیا، اور سرداری کے باوجود بھی لئیم و خسیس اور ذلیل ہی کا لقب ان پر چسپاں کیا گیا، تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ کسی قوم کی دولت وحکومت، اس کی ذاتی خِسّت و دناءت کے منافی نہیں، بلکہ اس کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے جب کہ عزت وذلت کا تعلق اخلاق وکردار سے ہے اور دنیوی دولت وحکومت کا تعلق کسب واکتساب اور سعی وتدبیر سے ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسی تدابیر ومساعی جیسے نیک کردار لوگ کرسکتے ہیں ایسے ہی بداطوار قسم کے لوگ بھی کرسکتے ہیں اور اس عالم اسباب میں دونوں ہی پر ثمرات بھی مرتب ہوسکتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ ہرگز ضروری نہیں کہ دولت وثروت یا اقتدار اسی قوم کو ملے جو عنداللہ وعندالناس باعزت اور مقبول بھی ہو۔ ایک ذلیل سے ذلیل قوم اور غلط کار سے غلط کار طبقہ بھی برائے چند سے دولت مند اور بااقتدار بن سکتا ہے اور محض اس اقتدار کی نمود اور دولت کی بود اس کے اخلاق کی پستی اور افعال کی دناءت کو نہیں چھپا سکتی۔

پس یہ دونوں چیزیں دولت اور ذلت جمع ہوسکتی ہے، اس تکوینی اصول کے تحت اگر غور کیا جائے تو یہود کی مادّی قوت کا بھی جب کہ قرآن اس سے ساکت ہے، ان تینوں قسم کی ذلتوں کے ساتھ جمع ہوجانا ناممکن نہیں رہتا؛ کیونکہ قرآن حکیم نے ان ذلتوں کی بنیاد ان کی سیاہ

کاریوں اور بدباطنی کو قرار دیا ہے، دولت وقوت کو قرار نہیں دیا جس سے واضح ہے کہ یہ ذلت اخلاقی اور دینی لائن کی چیز ہے جس کا زیادہ سے زیادہ مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ یہود فاسق و کافر، یا اس سے بڑھ کر معاند اور دشمنان حق ہیں، لیکن حکومت مادی لائن کی چیز ہے جو مادی تدابیر سے تعلق رکھتی ہے جس کے لیے نہ مومن کی قید ہے نہ کافر کی، نہ مخلص کی نہ منافق کی۔

حکومتیں جیسے باعزت ایماندار لوگوں کو ملتی رہی ہیں، بے عزت بدکاروں کے ہاتھ بھی آتی رہی ہیں، اس لیے اگر یہود کو بھی بایں ذلت اخلاقی کوئی کوئی مادی قوت مل جائے تو وہ یہود کی ان فرمودہ قرآنی ذلتوں کے منافی نہ ہوگی۔ جب کہ قرآن نے اس کی کھلی نفی نہیں فرمائی، ہوسکتا ہے کہ وہ رسمی طور پر دنیوی اقتدار پا جائیں اور یہ اخلاقی ذلت بھی بدستور باقی رہے۔

یہود کی باطنی ذلت، دنیوی اقتدار کے منافی نہیں!

ممکن ہے کہ قرآن حکیم کے لفظ ذلت جو ﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ﴾ [البقرة: 61] میں یہود کے لیے ارشاد ہوا، یہ خیال کیا جائے کہ ذلت درحقیقت عزت کی ضد ہے جس کے صاف معنی یہ ہیں: جب یہود پر ذلت ڈال دی گئی تو انہیں عزت نہیں مل سکتی اور عزت کا بڑا فرد حکومت اور مادی قوت ہے تو وہ بھی انہیں نہ ملنی چاہیے، ورنہ یہ اس عائد کردہ ذلت کے منافی ہوگا اور اس طرح گویا قرآن کی عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ یہود کو حکومت کبھی نہ ملے، شاید اس سے استنباط کر کے بعض مفسرین نے یہود کی حکومت کی دوامی نفی کی ہے، لیکن یہ استنباط ہے نص نہیں ہے۔

پھر میں عرض کر چکا ہوں کہ اول تو یہاں ذلت کے معنی ذلت باطنی کے ہیں جو اخلاقی ذلت ہے کہ وہ عنداللہ نامقبول ہو اور بے وقعت ہو جائے اس ذلتِ باطنی کے تابع اور اس کے آثار میں سے ہے، لازم نہیں، اور ذلتِ ظاہری کہ آدمی عندالناس بھی نامقبول ہو ظاہر ہے کہ یہ ذلت نہ مادی قوت کے منافی ہے نہ رسمی حکومت کے، ہوسکتا ہے کہ ایک قوم یا طبقہ انتہائی بداخلاق، سیاہ کار اور عنداللہ نامقبول بھی ہو اور حکمران بھی ہو؛ کیونکہ خدائے حکیم نے حکومت

کا تعلق مادی اسباب سے رکھا ہے، اپنے یہاں کے تقرب پر نہیں رکھا، ورنہ کافر کبھی حکمران نہ بن سکتا، حالانکہ کفار وفساق سب تخت وتاج کے مقام تک پہنچتے آئے ہیں، پس جو قوم بھی ان مادی اسباب کو جمع کرلے گی برسرِ اقتدار آجائے گی، خواہ عند اللہ نامقبول بھی ہو۔

اگر کوئی فاسق وفاجر بلکہ خدا دشمن قوم بھی اپنے اندرونی انتشار کو رفع کر کے اپنی قوم کے بکھرے ہوئے افراد کی شیرازہ بندی کرے خود طاقت نہ رکھتی ہو تو کسی بڑی طاقت کا سہارا لے کر فنونِ حَرب میں مَہارت پیدا کرلے۔ زراعت اور ایگری کلچر میں آگے بڑھے، اپنی دولت سے زمینیں خرید خرید کر ایک وسیع رقبہ پر قابض ہو جائے، محنتیں کر کے اس کی پیداوار بڑھائے، صنعت وحرفت اور عصری تعلیم میں کسی سے پیچھے نہ رہے، اور اپنا سرمایہ جوڑتے رہنے کے بجائے اپنے اجتماعی مفاد پر صرف کرنے کی عادت ڈالے تو بعالمِ اسباب کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ طاقت ور ہو جائے، خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی ہو۔ آخر آج کی دنیا کی جو قومیں ان وسائل کو لے کر آگے بڑھ رہی ہیں خواہ وہ خدا دشمن بھی ہوں اور عند اللہ بلکہ عند الناس اخلاقی طور پر ذلیل بھی ہوں وہ مادی طاقت پا رہی ہیں حق تعالیٰ کسی بھی قوم کے حق میں اسباب دینا اور ان کی طبعی خاصیتوں کو سلب نہیں فرماتے۔

﴿كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَ مَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا۝۲۰﴾ [الإسراء: 20]

ترجمہ: ''ہم انہیں بھی مدد دیں گے (اسباب ظاہری) اور انہیں بھی اور تیرے رب کی عطا پابند نہیں ہے۔''

عموم کے ساتھ صاف اعلان ہے۔

﴿وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا﴾ [الشوریٰ: 20]

ترجمہ: ''اور جو بھی اراہ کرے گا دنیا کی کھیتی کا تو ہم اسے اس سے حصہ دیں گے۔''

اس فطری اصول کے تحت یہود پر بھی قرآن نے کوئی پابندی عائد نہیں کی کہ وہ تدابیر

اختیار نہ کر سکیں۔

بہر حال فسق وفجور اور کفر وطغیان کی باطنی ذلت الگ ہے اور تدابیر دنیا کی بات الگ، دونوں میں کوئی تضاد نہیں، آخر آج کی دنیا میں کتنی قومیں ہیں جو حق پرستی کی ترازو میں پوری اتری ہوں، لیکن وسائل دنیا پر قابض ہو کر با اقتدار بنی ہوئی ہیں۔

آج دنیا میں عیسائیوں کا غلبہ واقتدار ہمہ گیر طور پر قائم ہے، لیکن انہیں اخلاقی قدروں کے لحاظ سے ذلیل اور حقیر بھی سمجھا جارہا ہے جب کہ انہوں نے دنیا میں فسق وفجور، فحاشی، عریانی، بدکاری، جوئے بازی، شراب خوری، عیاری، اور مکاری کو صرف اپنے ہی تک محدود نہیں رکھا بلکہ اپنے وسائل سے پوری دنیا میں پھیلا کر دنیا کے مزاج کو بدی سے بدل ڈالا ہے، اور دنیا کے اخبارات، رسائل اور صُحُف رات دن ان کی حرکات قبیحہ پر احتجاج بھی کرتے رہتے ہیں۔ انہیں اخلاقی دائروں میں ذلیل بھی جانتے ہیں اور اس کا اعلان بھی کرتے رہتے ہیں مگر پھر بھی ان کی طاقت کو مانتے ہیں اور ان کی طاقت اور اپنی کمزوری سے مجبور ہیں کہ کچھ نہیں کر سکتے۔ جیسے عیسائی اقوام میں اخلاقی ذلت اور مادی قوت دونوں جمع ہیں، ایسے ہی اگر یہود میں بھی جمع ہو جائیں تو نظر بر اسباب اس پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے، اور قرآن کی رو سے وہ کون سا مانع ہے کہ وہ عنداللہ اور عندالناس ذلیل وخوار رہتے ہوئے بھی اپنی تنظیم یا بڑی طاقتوں کی مدد سے یا ان کے ابھارنے سے ان طاقتوں کا آلۂ کار بن کر اسرائیل بھی بنالیں؟

پس یہود پر نص قرآنی نے ذلت کی مہر لگائی ہے کسی مادی قوت سے ممنوع رہنے کی مہر نہیں لگائی گئی؛ اس لیے اگر انہیں مادی قوت ہاتھ آجائے تو اس عائد کردہ ذلت کے منافی نہ ہوگا۔

یہود سے ختم ذلت کی قرآنی تجویز کے بارہ میں ہدایت

دوسرے یہ کہ یہ ذلت جس کو سامنے رکھ کر یہود کی مادی اور اجتماعی قوت کی نفی کی جارہی ہے اور جس کی وجہ سے انہیں کبھی بھی قوت وعزت نہ ملنے کا شبہ ہو رہا ہے کہ کہیں یہ عزت و قوت اس ذلت کے منافی نہ ہو جائے اور قرآن پہ خلاف کا کوئی دھبہ نہ آجائے وہ خود قرآن کے نزدیک ابدی اور دائمی کب ہے کہ شبہ کی گنجائش ہو۔ یہ شبہ تو اس وقت ممکن تھا کہ یہ ذلت قرآن کے نزدیک دوامی اور ایسی اٹل ہوتی کہ کبھی بھی زائل نہ ہوتی۔ قرآن نے خود اس ذلت کو عارضی اور مشروط قرار دیا ہے اور چاہا ہے کہ یہود اس ذلت سے نکل جائیں، عزت پائیں۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ذلیل نہ رہیں۔

چنانچہ اس کتاب مبین نے جہاں ان پر ذلت عائد کی وہیں اس نے اس ذلت رفع کرنے کے طریقے بھی یہود کے سامنے رکھ دیئے ہیں کہ اگر وہ چاہیں تو اپنی اس ذلت کو ختم کر سکتے ہیں۔

جس آیت میں یہود پر ہمہ جہتی اور ہمہ وطنی ذلت عائد ہونے کا اعلان فرمایا وہیں اس کے ساتھ ہی ساتھ اس ذلت میں ایک استثناء کا کلمہ بھی ارشاد فرمایا ہے جس سے رفعِ ذلت کا راستہ نکلتا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ ذلت ایسی دوامی اور اٹل نہیں ہے کہ کبھی بھی رفع نہ ہو سکے۔

ارشاد فرمایا:

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ [آل عمران: 112]

ترجمہ: ”ان (یہود) پر ذلت تھوپدی گئی ہے وہ جہاں بھی ہوں مگر اللہ کی رسی اور لوگوں کی رسی سے۔“

حبل کے معنی لغت میں رسّی کے ہیں اور یہاں حسب تفسیر مفسرین عہد یا سبب مراد ہے کہ خواہ وہ سبب خالق کی طرف سے ہو یا مخلوق کی طرف سے اس ذلت کو رفع کر دے گا۔

اللہ کی طرف کا سبب یہ ہے کہ یہود سچی توبہ کر کے کلمہ واسلام قبول کر لیں تو ذلت کلیۃً ختم ہوجائے گی، ذلت باطنی رہے گی، نہ ذلتِ ظاہری۔ اور وہ مسلمان ہو کر تمام ان عزتوں کے مستحق ہوجائیں گے، جو اسلام وایمان کے ساتھ وابستہ ہیں، ان کے حقوق وہی ہوں گے جو ایک مسلمان کے ہوسکتے ہیں، لیکن اگر وہ اسلام قبول نہ کریں، بلکہ یہودی ہی رہیں تو حبلُ الناس یعنی بندوں کی طرف رفع ذلت کا سبب اور علاقہ یہ ہے کہ:

''وہ اسلام کی شوکت قبول کر کے ذمی بن جائیں۔''

اس صورت میں ذلتِ باطنی تو باقی رہی ہے، مگر ذلت ظاہری ایک حد تک مرتفع ہوجائے گی۔ یعنی ادائے جزیہ کی ذلت باقی رہ جائے گی۔ مگر وہ عمومی بے کسی اور کس مپرسی کہ وہ ہر جگہ ذلیل وخوار ہی نظر آئیں ختم ہوجائیں گی۔

اس صورت میں حسب اصول شریعت اسلام ان کے معاشرتی حقوق بالخصوص مالیاتی اور معاملاتی بہت حد تک وہی ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں۔

لهم مالنا وعليهم ما علينا.

''جو ہمارے لیے ہوگا وہی ان کے لیے ہوگا، اور جو ہم پر عائد ہوگا وہی ان پر ہوگا۔''

یعنی ان کے جان ومال کی حفاظت خود مسلمانوں کے ذمہ ہوگی، ایسے ہی اگر وہ دوسری اقوام کے ذمی بن جائیں تو ان کے معاملات کو بھی اسی پر قیاس کیا جائے گا۔ چنانچہ جب اور جہاں بھی یہ ذمہ یہود نے قبول کر لیا ان کی ظاہری ذلتیں باقی نہیں رہیں۔

قرنِ اول میں انہوں نے جب یہ ذمہ قبول کر لیا تھا تو وہ ایک حد تک آبرومندی کی سطح پر آ گئے تھے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کے حسن معاملہ سے ظاہر ہے جو یہودیوں کے ساتھ تھا کہ آپ ان سے معاملات بھی رکھتے تھے، ان سے قرض بھی لیتے تھے، ان کے بیماروں کی

عیادت، بھی فرماتے تھے۔ ان سے خرید وفروخت بھی ہوتی تھی۔ وہ مسجد نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر آپ سے مختلف معاملات میں سوالات بھی کرتے تھے اور آپ با احترام انہیں جوابِ ہدایت سے بھی مشرف فرماتے تھے۔

پھر یہی معاملہ خلفائے راشدین کا بھی رہا، لیکن جب انہوں نے غداری اور فریب کاری کی تو اس کی سزا بھگتی اور پھر وہی ذلت لوٹ آئی۔

پھر اسی طرح جس ملک میں بھی وہ رہے، رعایا اور ذمی ہی بن کر رہے۔ مسلم ممالک میں مسلمانوں کے ذمی رہے اور غیر مسلم ممالک میں (یورپ وغیرہ میں سوائے روس کے غیر مسلموں کے ذمی رہے اور دونوں جگہ اسی حبل من الناس کے سلسلے سے ان کی ذلت ایک حد تک مرتفع ہوتی رہی۔ اسلامی ممالک میں شرعی اصول پر ذمیوں کے احکام ان پر جاری ہوتے رہے۔ جن کے تحت وہ حقوق و معاملات میں مسلمانوں کے مساوی رہے۔ صرف جزیہ وغیرہ کی ظاہری ذلت یا وہ باطنی ذلت قائم رہی، مگر اس لئے حقوق و معاملات کی یکسانی میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ اور یورپین ممالک میں عوامی دور شروع ہونے پر رعایا کے لیے جب مساوات کے نام پر قوانین بنائے گئے جو اکثر و بیشتر اسلامی ہی اصول سے لیے گئے۔ جس کے وہ خود بھی معترف ہیں اور ان کا قانون بھی شاہد ہے تو یہود ان سے منتفع ہوئے اور عیسائیت کے دیو استبداد سے انہیں اس جدید ذمیت سے کافی نجات مل گئی۔ تو یہاں ذمیت کی شکل اسلامی ذمیت سے کچھ بدلی ہوئی رہی مگر بہر حال ذمیت باقی رہی۔ سو جس حد تک انہوں نے ذمیت کا عہد پورا کیا، اسی حد تک ان کی وہ عمومی ذلت بھی ہلکی ہوتی گئی۔ یعنی معاملاتی ذلت ختم ہوگئی، سیاسی ذلت باقی رہ گئی۔

بہر حال قرآنِ حکیم نے نہ صرف یہ کہ اس ذلت کے بارے میں کسی دوام اور ہیشگی کا اعلان نہیں فرمایا جو یہود کی مادی قوت کے منافی سمجھا جاتا، بلکہ اس کے برعکس اس ذلت کے رفع کرنے کا طریقہ بتلا کر اسے بھی قابلِ زوال اور مشروط بنا دیا۔

ظاہر ہے کہ جب یہ ذلت ہی خود اٹل نہیں رکھی گئی تو یہود کی کسی عزت وقوت کی دوامی اور علی الاطلاق نفی کا اس سے سمجھ لیا جانا نہ صرف قرآن پر اضافہ ہی ہے، بلکہ اس کے مفہوم کے خلاف ایک نیا دعویٰ اٹھا دینا ہے، رہی حکومت تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں، ایک غیر مستقل اور دوسروں کے سہارے کی حکومت، جس میں حقیقی اقتدار اور طاقت دوسروں کے ہاتھ میں ہو۔ اور یہ قوم اپنی طاقت اور حکومت میں اس کی دستِ نگر ہو، بالفاظ دیگرِ قادر بقدرت الغیر اور مقتدر باقتدار غیر ہو تو اسے حکومت کا نام ضرور دیا جائے گا، لیکن وہ حقیقی حکومت نہ ہو گی۔

دوسری مستقل حکومت جس میں خود اپنی طاقت کسی سہارے کے بغیر کار فرما ہو، سو جہاں تک غیر مستقل یا با اختیار غیر حکومت کا تعلق ہے جس میں یہود اپنی حکمرانی میں دوسروں کے تابع بلکہ دستِ نگر ہوں تو وہ اگر کسی بڑی حکومت کے سہارے سے انہیں مل جائے اور وہ اپنی رسمی ذلت ختم کہہ سکیں تو یہ بھی حبل من الناس ہی کی ایک صورت ہو گی جو قرآن کی بتلائی ہوئی تدبیر کے اندر ہی رہے گی۔

اسرائیل امریکہ اور برطانیہ کی ایک فوجی چھاؤنی ہے!

ظاہر ہے کہ یہود کی آج کی حکومت جس کا نام اسرائیل رکھا گیا ہے حکومت کی پہلی قسم میں آتی ہے اور کسی طرح بھی اس ذلت کے منافی نہیں جس کا دعویٰ قرآن نے ان کے بارے میں کیا ہے؛ کیونکہ یہ بلحاظ حقیقت یہود کی براہِ راست کوئی حکومت ہی نہیں، بلکہ برطانیہ اور امریکہ کی ایک فوجی چھاؤنی ہے۔ انہوں نے یہود کی ضرورت سے یہ ملک نہیں بنایا بلکہ اپنی اغراض کی خاطر کھڑا کیا ہے۔ گو فائدہ اس سے یہود بھی اٹھا رہے ہیں۔

بلکہ واقعات کو دیکھا جائے تو برطانیہ وغیرہ نے گو یہود کو اسرائیل کی گدی پر بٹھلا دیا ہے، مگر ساتھ ہی یہ اسرائیل بنانے والی عیسائی قومیں اسرائیل بنا کر بھی یہود کا کوئی وقار و وقعت اور عزت دلوں میں لیے ہوئے نہیں، بلکہ ان کی ذلت ہی کی قائل رہیں، یہی برطانوی عیسائی

جو آج یہود کی حمایت کا دم بھر رہے ہیں وہ بھی نہ صرف اسرائیل کے تصور سے پیشتر ہی انہیں ذلیل جانتے تھے، بلکہ اب بھی انہیں دلوں سے ذلیل ہی سمجھتے ہیں۔ جب کہ انہوں نے یہود کی ضرورت سے اسرائیل نہیں بنایا، بلکہ صرف اپنے چند ناپاک منصوبوں کی خاطر یہود کو آگے رکھ کہ اپنے اس نومولود وطن (اسرائیل) کو اپنے آلہ کار کی حیثیت سے جنم دیا ہے اور اس جنم دہی کے وقت بھی ان کے دلوں میں یہود کی ذلت و بے وقعتی ہی چھپی ہوئی تھی۔

اس حقیقت کا انکشاف جنگ عظیم کے دوران جرمنوں نے کیا تھا جب کہ برطانیہ اور امریکہ اسرائیل کی داغ بیل ڈال رہے تھے برطانیہ کے مشہور اخبار ''لندن ٹائمز'' میں یہ حقیقت شائع ہوئی، جس پر اس برطانوی ترجمان نے کوئی نکیر یا تنقید نہیں کی۔ اس لیے جرمنی کا یہ انکشاف برطانیہ کا بھی تسلیم شدہ مانا جائے گا۔

بہر حال اسرائیل بنتے وقت بھی یہ دونوں ہی (جرمنی اور برطانیہ) اس حقیقت پر متفق تھے، جس کا اظہار صفائی سے جرمنوں نے کر دیا تھا کہ:

''یہود دنیا کی ذلیل ترین قوم ہے اور اسرائیل کی حکومت یہود کی نہیں بلکہ برطانیہ اور اس کے حلیفوں کی ہے۔''

جرمن وزیر ڈاکٹر گوبلس کا مقالہ مع اس کے قائم کردہ عنوان کے درج ذیل ہے۔

خون چوسنے والی قوم

لندن ٹائمز کے نامہ نگار کا بیان ہے کہ نازی حکومت کے وزیر نشریات ڈاکٹر گوبلس نے نازی کانگریس کے سالانہ اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے اس حقیقت کو بے نقاب کیا ہے کہ:

''یہودی ایک خطرناک اور دوسروں کے خون سے پیٹ بھرنے والی قوم ہے۔''

جس حقیقت کو جرمن قوم اب سمجھی ہے اسے غالباً انگریز بہت پہلے سے سمجھ چکے تھے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جرمنوں نے ان خوفناک انسانی جونکوں سے اپنے ملک کو نجات دلانے کے لیے انہیں چن چن کر اپنے یہاں سے نکال پھینکا ہے، اور انگریزوں نے ان کی اس

خوفناک صفت سے فائدہ اٹھانے کے لیے ان کی پرورش اور سرپرستی شروع کردی تاکہ وہ جس ملک کو اپنی ملوکانہ اغراض کی تکمیل کے لیے آلۂ کار بنانا چاہیں وہاں سب سے پہلے ان جونکوں کا ایک لشکر بھیج دیں اور یہ خون آشام قوم وہاں کے انسانوں کا خون چوس کر بے کار اور مردہ بنادے، اور پھر انگریز بغیر خوف مزاحمت آسانی کے ساتھ اس ملک سے اپنی غلامی کا دوامی پٹہ لکھوا کر جس طرح چاہیں استعمال کرسکیں۔

چنانچہ ان پروردہ جونکوں کی صلاحیت کا سب سے پہلا تجربہ فلسطین میں کیا گیا ہے، اور حالات بتارہے ہیں کہ یہ تجربہ کامیاب ثابت ہوا ہے، یقین نہ آئے تو فلسطین جاکر وہاں کے عربوں کی حالت اپنی آنکھوں سے دیکھ لیجئے کہ چند ہی سال کی قلیل مدت میں ان کے سرخ سپید چہرے خون کی سُرخی سے محروم ہوچکے ہیں یا نہیں؟

(استقلال دیوبند صفحہ 3 جلد 2، نمبر 134، 30 ستمبر 36، رجب 55)

اسی طرح امریکہ بھی جو اس قوم کی پشت پناہی میں پیش پیش ہے اس کو ذلیل اور روئے زمین کا سیاہ داغ سمجھنے اور اس سے بے زار ہونے میں جرمنی اور برطانیہ سے الگ نہیں۔

روزنامہ دعوت دہلی کے ذیل کے اقتباسات سے یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے، اخبار دعوت دہلی اپنے ایڈیٹو کالم میں رقمطراز ہے کہ:

''حال ہی میں تین ممتاز امریکی مصنفین نے اس (امریکی رائے عامہ دربارہ یہود) پر تین کتابیں لکھی ہیں جن کا ایک سوویٹ خبرنامہ میں حوالہ دیا گیا ہے........ان تینوں کتابوں میں 1954ء سے اب تک یہودیوں کی سرگرمیوں اور امریکی عوام میں یہودیوں سے بےزاری کا پتہ چلتا ہے۔ رابرٹ گسٹر نے ایسی 125 انجمنوں کا تذکرہ کیا ہے جو یہودیوں کی دشمن ہیں، ان مصنفین نے کافی معلومات فراہم کی ہیں کہ کارخانوں، دفتروں اور اداروں میں یہودیوں کو سب سے آخر میں ملازمت دی جاتی ہے اور سب سے پہلے انہیں برطرفی کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ صنعت کے کئی میدانوں میں خاص طور پر بھی بھاری برقیاتی ہوابازی،

آلات سازی اور فوجی اہمیت رکھنے والی دوسری صنعتوں میں یہودیوں کو اس وقت تک ملازمت نہیں دی جاتی جب تک وہ ممتاز سائنسدان نہیں ہوتے، یہی حال یونیورسٹیوں کا بھی ہے، شہروں کی پاکیزہ اور صاف ستھری بستیوں میں انہیں مکان نہیں ملتے، سبھی صحبت گاہوں اور اکثر کلب گھروں میں ان کا داخلہ ممنوع ہے۔ کہیں کہیں ایسی سختیاں بھی لگی ہوئی دکھائی دیتی ہیں کہ:

"یہاں یہودیوں کا داخلہ ممنوع ہے۔"

تین سو سال سے زیادہ عرصہ سے یہودی امریکہ میں آباد ہیں اور اس میں بیشتر سفید فام باشندے سے ہیں مگر ان کے لیڈروں کی سازشی ذہنیت نے اب تک انہیں وہاں کے سماج کا وفادار حصہ نہیں بننے دیا۔"

روزنامہ دعوت دہلی 24/اپریل 1970

(ایڈیٹوریل بعنوان "امریکہ کے یہودی")

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب یہودیوں کے پشت پناہ دوستوں کی نفرت کا یہ حال ہے تو بقیہ دنیا ان کے بارے میں جو بھی حقارت ونفرت کی رائے رکھے وہ رکھ سکتی ہے۔

یہود کی آج تک یہ ذلت وحقارت کی برقراری اور وہ بھی ان تک کی طرف سے جو یہودیوں کے حامی کہلا رہے ہیں۔ اور پھر ایسے اوقات میں کہ یہود کو ایک ظاہری اقتدار بھی کسی حد تک ہاتھ آچکا ہے، اسی خدائی پھٹکار اور تذلیل کا اثر ہے جو ان کی کرتوت کے سبب سے ان پر مسلط ہے۔

مادی قوت اور اخلاقی پستی و دِناءت جمع ہوسکتی ہیں

بہر حال قرآنی تصریحات لیے جائیں یا زمانہ کے واقعات دونوں اس سے انکاری نہیں ہیں کہ مادی قوت اور اخلاقی ذلت دناءت میں کوئی تضاد نہیں کہ دونوں جمع نہ ہوسکیں، جرمنی، برطانیہ، اور امریکہ کو یہود کی ذلت دناءت کا بھی اعتراف ہے اور ساتھ ہی ان کی

حکومت بنا کر اس کے تسلیم کرا لینے سے بھی انکار نہیں، جس سے واضح ہے کہ جیسے قرآن کے نزدیک کسی نفس کی جوہری ذلت اور اس کی مادی قوت میں منافات نہیں ایسے ہی دنیا کی اقوام کے نزدیک بھی یہ دونوں باتیں جمع ہو سکتی ہیں۔

اسرائیل، امریکہ و برطانیہ کی آلۂ کار ایک نوآبادی ہے

جہاں تک واقعات کا تعلق ہے یہود کی موجودہ حکومت اسرائیل ظاہری طور پر یہود کی حکومت ضرور سمجھی جاتی ہے مگر حقیقتاً یہ ملک ان کے قبضہ میں ہے جنہوں نے اس ملک کو اپنی طاقت سے بنایا اور وہ یقیناً یہود نہیں بلکہ برطانیہ اور امریکہ ہیں، اگر عربوں کو آج اسرائیل پر ہاتھ ڈالنے میں پس و پیش ہے تو اسرائیل کی اس وقتی اور محتاج غیر قوت سے نہیں بلکہ برطانیہ، فرانس اور امریکہ کی مستقل طاقت سے ہے۔

چنانچہ 1956ء میں جب نہر سوئز پر حملہ ہوا تو بھی برطانیہ اور فرانس پردہ سے باہر نکل کر کھلے بندوں اسرائیل کی پشت پناہی کر رہے تھے نہ کہ اسرائیل خود اپنی کسی طاقت سے نبرد آزما ہو رہا تھا، اور آج بھی اگر اسرائیل مصر اور عرب ممالک کا مقابلہ کر رہا ہے تو اسرائیل کی پشت پر امریکہ مد مقابل ہے نہ کہ خود اسرائیل پھر امریکہ اور برطانیہ نے اگر دھوکہ سے اسرائیل کو ایک وطنی اقتدار کے نام پر قائم کیا تو وہ درحقیقت عربوں کی طاقت گھٹانے یا مٹانے اور عالمِ عرب کو نیچا دکھانے کے لیے کیا نہ کہ یہود کی ہمدردی یا ان کی عزت یا ان کی کسی مستقل طاقت بڑھانے کے لیے یا انہیں ایک باوقار قوم سمجھ کر ان کی طاقت قائم کرنے کے لیے، اگر آج عیسائی اقوام یہود یا اسرائیل کی سرپرستی سے دست بردار ہو جائیں تو پھر اسرائیل کی کوئی طاقت نہیں کہ وہ عرب کی کسی ایک ریاست کے مقابلہ میں بھی ٹھہر سکے۔ پس یہود ان مغربی طاقتوں اور ان کی ڈپلومیسیوں کے تحت خود ان کے اقرار سے ایک آلۂ کار کی حیثیت سے زائد نہیں، جیسا کہ ابھی لندن ٹائمز کا اقتباس گزر چکا ہے۔ وہ اس وقت بھی عیسائیوں کے ماتحت اور ان کے آلۂ کار تھے جب اسرائیل کا وجود نہیں تھا اور آج بھی

جب کہ انہی کے بنائے ہوئے یہ اسرائیل بن چکا ہے، جو ان کے آلہ کار کی حیثیت سے زائد نہیں؛ اس لیے اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ اسرائیل حقیقتاً یہود کا ملک نہیں۔

اندریں صورت یہود اگر قادر بقدرت غیر اور مقتدر باقتدار غیر کے اصول پر قابض ہیں تو یہ نہ یہود کی قدرت ہے، نہ اقتدار، اور نہ انہیں کسی بھی صورت سے خود کار صاحبِ اقتدار یا مستقل صاحب قدرت وشوکت مانا جاسکتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسا عارضی اور محتاجِ غیر اقتدار یہودی اس ذلت کے منافی تو کیا ہوتا، بلکہ اس کے حق میں ایک شاہد اور وجہ ثبوت کی حیثیت رکھتا ہے کہ یہود اتنی قوت پا کر بھی غیر اقوام کے غلبہ اقتدار کی ماتحتی اور تذلیل سے باہر نہ آسکے اور ان کی وہ محتاجگی اور دست نگری بدستور قائم رہی جو پہلے سے قائم تھی، پس اس سے ان کی جوہری ذلت پر کیا اثر پڑا بلکہ ذلت کی شان اس آلۂ کار بننے سے اور بڑھ گئی۔

خلاصہ یہ کہ حبل من اللہ سے تو یہود کی ذلت کلیۃً ختم ہو جائے گی، تدبیر کا قرآن نے اعلان کیا، جیسا کہ قرنِ اول میں جن سعادت مند یہود نے اس حبل من اللہ کو تھام لیا وہ ظاہری اور باطنی عزت کے مالک بن گئے۔ اور حبل من الناس سے جزئی طور پر خاتمۂ ذلت کی تدبیر کا اعلان کیا، جیسا کہ قرنِ اول اور قرونِ مابعد میں یہود نے حبل من الناس کے تحت ذمی بن کر اپنی ظاہری وقار حاصل کرلیا۔ ایک صورت میں وہ یہودی نہ رہے اور مطلقاً عزت حاصل کرلی، ایک صورت میں یہودی، یہودی رہے مگر دوسرے اقوام کے تابع اور محکوم بن کر انہوں نے فی الجملہ عزت پالی، تیسری صورت، یہود رہتے ہوئے ان کی غیر مستقل حکومت ہے جو بڑی طاقتوں کے بل بوتے پر ان کے آلۂ کار کی حیثیت سے قائم ہے، جیسا کہ آج کی صورت ہے۔ سو یہ بھی ایک قسم کا ذمہ ہے جس کا نام عہد ہوگا، جو حبل من الناس ہی کی ایک صورت ہے، فرق اتنا ہے کہ پہلی صورت میں قوم ذمی رہتی ہے اور دوسری صورت میں اس کی نام نہاد حکومت ذمی بن جاتی ہے، اس لیے ان میں کوئی صورت بھی بہ نص قرآن ان کی ذلت

کے منافی نہیں، کیونکہ دونوں میں دوسری اقوام کی دستِ نگری قائم رہتی ہے، ایک میں سیاسی حیثیت سے اور یہ دونوں صورتیں یہود کی باطنی ذلت کے ساتھ جمع ہوسکتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ تینوں صورتیں جب کہ حبل کے نیچے تھیں تو قرآن حکیم کے عمومی مفہوم سے باہر نہیں جاتیں کہ ان کے وجود پذیر ہونے پر قرآنی مخالفت کا سوال پیدا ہو۔

البتہ چوتھی صورت یہود کی مستقل حکومت کی ہے کہ یہود، یہود رہتے ہوئے نہ حبل من اللہ سے استفادہ کریں اور نہ حبل من الناس سے، اور پھر بھی انہیں حکومت اور وہ بھی مستقل حکومت حاصل ہوجائے، تو قرآن نے جیسے اس کا اثبات نہیں کیا۔ اس کی نفی بھی نہیں کی، بلکہ اس سے سکوت اختیار کر کے اسے حالات زمانہ پر چھوڑ دیا ہے۔ اور اس کی عائد کردہ ذلت پر اس سے بھی کوئی اثر نہیں پڑتا، جیسا کہ اجمالاً اس کے بارے میں سطور سابق میں تذکرہ آچکا ہے۔

ماضی کے ہر دور میں یہود متبعین عیسیٰ کے تابع رہے ہیں

یہ آخری صورت مستبعد اس لیے معلوم ہوتی ہے کہ اول تو تاریخی طور پر ماتحتی سے کبھی باہر نہیں رہے۔ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت کے بعد حقیقی متبعین عیسیٰ مسلمان تھے تو ہزار سال یہود ان کے ماتحت رہے ایک ہزار سال گزرنے پر ان میں دینی اور سیاسی انحطاط شروع ہوا، عیسائیوں کی ریشہ دوانیاں شروع ہوئیں، مسلمان کمزور پڑتے گئے اور اپنی شامت اعمال سے اپنی ریاستیں اور دولتیں باہمی خانہ جنگی سے کھو کھو کر عیسائیوں کے اقتدار کے لیے خالی کرتے رہے۔ تا آنکہ آج دنیا کے اکثر حصوں پر عیسائیوں ہی کا اقتدار چھایا ہوا ہے۔ اس لیے اسلام کے الف ثانی (یعنی دوسرے ہزار سال) میں عیسائی ممالک میں رہنے والے یہودی مسلمانوں کی سیاسی ماتحتی سے نکل کر عیسائیوں کی ماتحتی میں چلے گئے، مگر بہر حال متبعین عیسیٰ کے اقتدار سے باہر نہیں نکل سکے۔

یہود کی عزت دنیوی اور ذلتِ اخلاقی میں کوئی تضاد نہیں!

اور اب بھی جب کہ اسرائیل قائم ہو چکا ہے وہ متبعین عیسیٰ (نصاریٰ) ہی کے ماتحت ہیں، حتیٰ کہ ان کی نام نہاد ریاست بھی بلحاظ حقیقت انہیں کے زیر اثر واقتدار ہے، اس لیے طبائع اس تصور کو گوارہ نہیں کرتیں کہ کسی وقت بھی یہود ان کے اثرات سے نکل کر اپنا سیاسی اجتماعی مقام مستقل طور پر حاصل کر لیں گے۔

ادھر قرآن کی اعلان کردہ یہود کی تاریخی ذلت بھی ذہنوں میں جاگزین ہے، جواب تک بھی ان سے جدا نہیں ہے؛ اس لیے شبہ کیا جاتا ہے کہ ذلت جب عزت کی ضد ہے اور حکومت سے بڑھ کر کوئی ظاہری عزت نہیں تو ذلت کے ہوتے ہوئے، یہ عزت اور حکومتِ مستقلہ انہیں آخر کیسے مل سکتی ہے؟

شاید اس بناء پر بعض حضرات مفسرین نے یہود کی حکومت کی ہمیشہ کے لیے نفی کر دی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ استنباط ہے، خواہ قرآن سے ہو یا واقعات سے، نص نہیں ہے اور جتنی نص ہے وہ اس دولت وقوت کی نفی نہیں کرتی، چہ جائے کہ اس کے منافی ہو، جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ یہ ذلت باطنی لائن سے آئی ہوئی چیز ہے اور عزت رسمی لائن کی چیز ہے، جس میں کوئی تضاد اور منافات نہیں۔

اس لیے اگر کسی وقت یہودی قوم اپنے مغربی آقاؤں اور سرپرستوں کے مدمقابل بھی آجائے تو اس کی ذلت کی جو بنیاد قرآن نے ظاہر کی ہے وہ پھر بھی قائم رہے گی اور وہ ذلت کے اس گڑھے سے باہر نہ آسکیں گے جس میں گرائے جا چکے ہیں؛ کیونکہ ہم ابتداء ہی میں عرض کر چکے ہیں کہ ان کی یہ ذلت کسی قوم کی دشمنی یا عداوت یا محض جذبات تحقیر سے انہیں ذلیل سمجھ لینے کی بناء پر نہیں، بلکہ خود یہود کی اپنی شرارت باطنی اور دناءت ظاہری کی وجہ سے ان پر مسلط ہوئی ہے۔

جب کہ حق دشمنی اور باطل دوستی کو اس حد تک انہوں نے اپنا جوہر نفس بنالیا کہ قبولیت حق کی استعداد ہی ان سے فنا ہو گئی اور ان کی طبیعتیں تکذیبِ انبیاء اور تکذیبِ رسالت کرتے کرتے اس حد تک کج ہو گئیں کہ نہ صرف ان کا خاندانی منصب نبوت اور علم الٰہی کا جوہر ہی ان سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا جو پشت ہا پشت سے ان میں منتقل ہوتا چلا آرہا تھا، بلکہ اس کج فطرتی کی بناء پر حق انہیں باطل نظر آنے لگا اور باطل حق، باطل کی طرف طبیعتیں بصد شوق و رغبت بڑھنے لگیں، اور حق سے بہزار تنفر گریزاں ہو گئیں، جس کا قرآن کریم نے ذیل کے پاک کلمات میں نقشہ کھینچا ہے کہ:

﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَ اِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَ اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَ اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴾ [الأعراف: 146]

یہود ایک کج فطرت قوم ہے

اسی کج فطری کا نتیجہ تھا کہ اس کج قوم نے جب مسیح ہدایت (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) ان کے سامنے آئے تو انہیں مسیح ضلالت (دجال) سمجھا اور ان کے قتل وصلب کے درپے ہوئے اور آخری دور میں جب مسیحِ ضلالت (دجال اعظم) خروج کرے گا تو اسے مسیح ہدایت سمجھیں گے اور من حیث القوم اس کے ساتھ ہو کر اس کے زُمرہ میں شامل ہو جائیں گے۔

پس قرآن نے ان کی جس ذلت ومسکنت کا دعویٰ کیا ہے وہ ان کی انہی جڑ پکڑی ہوئی بداعتقادیوں، بداخلاقیوں، اور بداعمالیوں کا ثمرہ ہے، کسی قوم کی دشمنی اور تحقیر وتذلیل کا نتیجہ نہیں؛ اس لیے اگر ان کا اپنا بھی کوئی رسمی اقتدار ہو جائے، تب بھی ان کی یہ خود کار ذلت ومسکنت ان سے جدا نہ ہو سکے گی، ایک ذلیل قوم قوی ہو کر بھی ذلیل ہی رہتی ہے، جب کہ بدباطنی اس کے ساتھ قائم ہو، جیسا کہ ایک شریف الطبع قوم کمزور ہو کر بھی شریف ہی رہتی ہے جب کہ شریفانہ جوہر اس میں جاگزیں ہوں۔

یہود کی ذلت کے ختم ہونے کی چار صورتیں

بہر حال قرآن کریم سے اتنا واضح ہو گیا کہ یہود کی دنیوی عزت اس اخلاقی ذلت کے کلیۃً منافی نہیں ہے جو قرآن نے ان پر عائد کی ہے اور یہ کہ قرآن ہی نے اس ذلت کے ختم کرنے کے طریقے بھی انہیں بتلائے کہ وہ اپنی ذلتیں ان پر چل کر ختم کر سکتے ہیں، جن میں سے ایک صورت حبل من اللہ کے ماتحت آجاتی ہے کہ ذلت ظاہری و باطنی کلیۃً ختم ہو جائے اور دو صورتیں حبل من الناس کے تحت آتی ہیں، جس سے بہت حد تک ذلت ظاہری ختم ہو جائے، خواہ بڑی حکومتوں کا ذمی بن کر یا بڑی حکومتوں کے سہارے کوئی نام نہاد حکومت قائم کر کے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ سب سے بے پرواہ ہو کر ان کی مستقل حکومت قائم ہو اور ظاہری ذلت کلیۃً ختم ہو جائے تو قرآن نے سکوت کے ساتھ اسے حالاتِ زمانہ پر چھوڑ دیا ہے۔

لیکن حدیث نبوی ﷺ نے ناطق بن کر اس کے بارے میں بھی تصریحات کی ہیں کہ

شاید اس بناء پر بعض حضرات مفسرین نے یہود کی حکومت کی ہمیشہ کے لیے نفی کردی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ استنباط ہے، خواہ قرآن سے ہو یا واقعات سے، نص نہیں ہے اور جتنی نص ہے وہ اس دولت وقوت کی نفی نہیں کرتی، چہ جائے کہ اس کے منافی ہو، جیسا کہ ہم عرض کرچکے ہیں کہ یہ ذلت باطنی لائن سے آئی ہوئی چیز ہے اور عزت رسمی لائن کی چیز ہے، جس میں کوئی تضاد اور منافات نہیں۔

اس لیے اگر کسی وقت یہودی قوم اپنے مغربی آقاؤں اور سرپرستوں کے مدمقابل بھی آجائے تو اس کی ذلت کی جو بنیاد قرآن نے ظاہر کی ہے وہ پھر بھی قائم رہے گی اور وہ ذلت کے اس گڑھے سے باہر نہ آسکیں گے جس میں گرائے جاچکے ہیں؛ کیونکہ ہم ابتداء ہی میں عرض کرچکے ہیں کہ ان کی یہ ذلت کسی قوم کی دشمنی یا عداوت یا محض جذبات تحقیر سے انہیں ذلیل سمجھ لینے کی بناء پر نہیں، بلکہ خود یہود کی اپنی شرارت باطنی اور دناءت ظاہری کی وجہ سے ان پر مسلط ہوئی ہے۔

جب کہ حق دشمنی اور باطل دوستی کو اس حد تک انہوں نے اپنا جوہر نفس بنالیا کہ قبولیت حق کی استعداد ہی ان سے فنا ہوگئی اور ان کی طبیعتیں تکذیبِ انبیاء اور تکذیبِ رسالت کرتے کرتے اس حد تک کج ہوگئیں کہ نہ صرف ان کا خاندانی منصب نبوت اور علم الٰہی کا جوہر ہی ان سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگیا جو پشت ہا پشت سے ان میں منتقل ہوتا چلا آرہا تھا، بلکہ اس کج فطرتی کی بناء پر حق انہیں باطل نظر آنے لگا اور باطل حق، باطل کی طرف طبیعتیں بصد شوق ورغبت بڑھنے لگیں، اور حق سے بہزار تنفر گریزاں ہوگئیں، جس کا قرآن کریم نے ذیل کے پاک کلمات میں نقشہ کھینچا ہے کہ:

﴿سَاَصۡرِفُ عَنۡ اٰيٰتِىَ الَّذِيۡنَ يَتَكَبَّرُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ ؕ وَاِنۡ يَّرَوۡا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡا بِهَا ۚ وَاِنۡ يَّرَوۡا سَبِيۡلَ الرُّشۡدِ لَا يَتَّخِذُوۡهُ سَبِيۡلًا ۚ وَاِنۡ يَّرَوۡا سَبِيۡلَ الۡغَىِّ يَتَّخِذُوۡهُ سَبِيۡلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوۡا عَنۡهَا غٰفِلِيۡنَ ۝۱۴۶﴾ [الأعراف: 146]

مہدی کے دست حق پرست پر ایمان لاکر دائرہ اسلام میں داخل ہوجائیں گے اور بقیہ سب کے سب اجتماعی طور پر دجال کے ساتھ ہوجائیں گے۔''

ادھر نزولِ مسیح کے بعد (جو اس وقت مجدد اسلام کی حیثیت سے آئیں گے) نصاریٰ عامہ مسیح کے دستِ حق پرست پر اسلام میں داخل ہوجائیں گے، جس کی خبر قرآن نے دی ہے اس وقت متبعین عیسیٰ کی وہ تفریق کہ مسلمان حقیقی متبع تھے اور عیسائی قومی طور پر متبع تھے، مٹ کر سب کے سب بحیثیت مسلم کے حقیقی متبعین عیسیٰ ہوجائیں گے، اور یہ صورت باقی نہیں رہے گی کہ وہ عیسائیوں کے زیر دست رہ کر مسلمانوں کے مدمقابل ہوں، اس وقت یہود ان متبعین عیسیٰ سے اپنی زیردستی کو ختم کرنے کے لیے دجالی قوت کے زیر اثر سامنے آئیں گے اور ایک آخری جدوجہد کریں گے۔''

لیکن جیسا کہ میں عرض کرچکا ہوں کہ یہ زیر پرستی چونکہ کسی قوم کی دشمنی یا عداوت سے قائم شدہ نہیں، بلکہ خدا کی طرف سے جو انہیں کی فطرت کے مسخ ہوجانے ان پر مسلط ہوئی ہے؛ اس لیے یہود کا یہ مقابلہ حقیقتاً خدا سے مقابلہ ہوگا، جس میں ان کے کامیاب ہونے اور پناہ ملنے کا کوئی سوال نہ ہوگا۔

اس لیے نہ صرف دجال کے قتل کے ساتھ ایک ایک یہوی موت کے گھاٹ اتر جائے گا، بلکہ بنص حدیث اگر کوئی یہودی کسی پتھر کی پناہ بھی پکڑے گا تو پتھر میں آواز آئے گی کہ:

''یہ دشمن خدا یہودی یہاں ہے، اسے قتل کرو۔''

اس لیے یہود کا ایک متنفس بھی یہودی رہتے ہوئے دنیا میں باقی نہیں رہے گا۔

بہرحال اس شرعی نقشہ سے اتنا ضرور ثابت ہوجاتا ہے کہ اس دجالی فتنہ کے وقت یہود کی ایک طاقتور تنظیم ضرور ہوگی، جس کا سربراہ دجال ہوگا، جو بنص شریعت ان کی سیاسی قوت کی دلیل ہے، ان کے پاس جنگی سامان بھی کافی ہوگا اور وہ ساری دنیا پر اثر انداز ہوگا۔

چناں چہ یہ بھی حدیث نبوی ﷺ میں خبر دی گئی ہے کہ ستر ہزار یہودی طیلستان (ایک جنگی لباس) پہن کر دجال کی مدد کے لیے اصفہان سے چلیں گے جو بنص شریعت ان کی جنگی قوت کی دلیل ہے، اس قوت کے ساتھ دجال پوری دنیا پر اثر انداز ہوگا۔ اور حرمین شریفین کے سوا تمام روئے زمین پر گھوم جائے گا جو بنص شریعت ان کی ہمہ گیر طاقت کی دلیل ہے؛ اسی لیے اس کا نام مسیح ہوا کہ ساری زمین کا مسح کر جائے گا۔

اس روئے زمین کی سیر میں بطور استدراج اس کے ساتھ کچھ خوارق اور عجائبات بھی ہوں گے، جن کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔ یہود کی یہ طاقت بلاشبہ خود اختیاری اور بلا استمداد غیر ہوگی؛ کیوں کہ جن اغیار کے وہ زیر دست تھے یعنی عیسائی وہ خود اسلام میں داخل ہو چکے ہوں گے؛ اس لیے ان سے مدد ملنے کا کوئی سوال نہ ہوگا، اور قدیم مسلمانوں سے مدد لینے یا ان کی مدد کرنے کے کوئی معنی ہی نہ ہوں گے؛ اس لیے ان دونوں سے کٹ کر یہ طاقت دجال کے برتے پر خود اختیاری طاقت ہوگی جو مسلمانوں اور مسلمان شدہ عیسائیوں کے مدمقابل آئے گی۔

لیکن! اُسے اقتدار اور رفع ذلت یوں نہیں کہہ سکتے ہیں یہ حصول اقتدار کی جدوجہد ہوگی نہ کہ خود اقتدار ہوگا، بلکہ وہ بمقابلہ متبعین عیسیٰ ایک بغاوت ہوگی جو کامیاب ہونے کے بعد ہی اقتدار کی صورت اختیار کرسکتی تھی، قبل از کامیابی بغاوت اور ہڑبونگ کو اقتدار کوئی نہیں کہہ سکتا، بلکہ ان اوقات میں بھی اقتدار اسی کا مانا جاتا ہے اور قائم رہتا ہے جس کے مقابل میں ہڑبونگ کیا جاتا ہے، باغی کے اقتدار کا وقت وہ ہوتا ہے کہ اپنے فریق مقابل کو شکست دے کر خود اس کی جگہ لے لے اور اس کا اقتدار اپنی طرف منتقل کرے۔

لیکن! یہاں صورت حال برعکس ہوگی کہ یہودی قوم اقتدار ملنے سے پہلے ہی اس جدوجہد میں مع اپنے سربراہ (دجّال اعظم) کے خود ہی ختم ہو جائے گی تو یہ اقتدار تو کیا ہوتا، آئندہ کے لیے بھی اقتدار کا وسوسہ تک ختم ہو جائے گا، جب کہ آرزومندِ اقتدار ہی دنیا میں باقی نہ رہے گا اس لیے یہود کی وہ ذلت و مسکنت جو خدا کی طرف سے ان پر مسلط ہے اس

وقت بھی ان کا ساتھ نہ چھوڑے گی۔ اور ان کا سانس تک بھی ان سے زائل نہ ہو سکے گا۔
اس لیے ذلت و مسکنت کا قرآنی مفہوم اس حال میں بھی بحالہ قائم رہے گا۔

یہ دجالی جدوجہد کا شوروغوغا بھی نبص حدیث صرف چالیس دن کا ہوگا۔ اگر آج کل کی دنیا کی عظیم جنگوں کی طرح دو چار برس بھی رہتا تب بھی یہ تہمت آسکتی تھی کہ کم از کم دو چار سال تو یہود نے اپنی خود اختیاری کے ساتھ گزار دیئے، لیکن جنگوں میں چالیس دن کی مدت کوئی قابل لحاظ مدت نہیں ہوتی، نہ اس مدت کی جنگ کو جنگ کہتے ہیں، بلکہ جھڑپ کہتے ہیں اور پھر بھی جدوجہد جتنی ہوگی، اس میں بھی یہود کی ذلت و بے کسی کا یہ عالم ہوگا کہ نبص حدیث نبوی اینٹ پتھر تک، خدا کی ساری ہی کائنات یہود کی دشمنی پر آمادہ ہوگی، جس سے ان چالیس دن میں بھی اقتدار تو کیا ہوتا۔ اینٹ اینٹ سے ان کی ذلت کا اعلان کرایا جاتا رہے گا۔ اور اب یہ ہر دو نوع کے متبعین عیسیٰ یک نوع بن کر انہیں سوءِ عذاب چکھانے کے لیے کھڑے کر دیئے جائیں گے جس سے اس نام نہاد خود اختیاری میں بھی جو دجال کی سرپرستی میں ہوگی، یہود کو چین نصیب نہ ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہود نے سب سے زیادہ ایذا حضرت مسیح علیہ السلام کو دی کہ ان کے قتل اور پھانسی دینے کے درپے ہوئے، ان پر تہمتیں لگائیں اور ان کے بعد سب سے زیادہ ایذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی کہ آپ کے قتل کے لیے سازشیں کیں، مکہ والوں کو چڑھا لائے زہر خورانی کی کوشش کی، اور مدینہ کی آپ کی زندگی اجیرن بنادی۔

اس لیے انہیں دونوں پاک ہستیوں کے متبعین آخری دور میں یک جان دو قالب ہو کر انہیں سوءِ عذاب کا مزہ چکھائیں گے تاکہ ان دونوں مقدس ہستیوں کا انتقام انہیں کی قوموں کے ذریعہ لیا جائے جن کا سربراہ حضرت مسیح علیہ السلام کو بنایا جائے گا جو نائب نبوی اور مجدد اسلام کی حیثیت سے اس رئیس الیہود دجال کا قلع قمع کریں گے۔ جس سے یہودیت کا کلیۃً استیصال ہو جائے گا۔ گویا یہود نے جنہیں زیادہ ایذاء پہنچائی انہیں کو حکمتِ الٰہی ان کی سزا کے لیے میدان میں لے آئے گی اور اللہ کا یہ وعدہ اس وقت بھی سچا ہی رہے گا کہ:

﴿وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۶۷﴾

[الأعراف: 167]

یعنی ابتداءً یہ وعدہ متبعین عیسیٰ کی فوقیت و غلبہ سے نمایاں رہا اور انتہا میں جنگ کے ساتھ متبعین عیسیٰ ہی کی جنگ جو یا نہ رویہ سے قائم رہے گا۔

بہر حال دنیا میں رفع ذلت اور حصول اقتدار کی دو ہی صورتیں ہو سکتی تھیں، ایک روحانی اور اخلاقی اقتدار جو قبول حق اور اتباع حق سے ہوتا ہے سو یہود نے اس کی استعداد ہی ہمیشہ کے لیے فنا کر دی؛ اس لیے اس کے حصول کا تو کوئی سوال ہی نہیں ہوتا؛ اسی لیے قرآنِ حکیم نے ﴿فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾ [البقرة: 88] فرما کر ان کے راستہ کو تو بند کر دیا ہے۔

دوسرے مادی قوت و تمکنت جو بلا محتاجگی غیر ہو سو وہ قرآن کی رو سے تو منفی نہیں، مگر بنصِ حدیث واقع ہوگا لیکن برائے چندے اور وہ بھی مٹنے کے لیے جیسا کہ دجالی دور میں نمایاں ہوگا۔

پس حکومتِ خود اختیاری اور خود کار شوکت دجال سے پہلے کے دور میں بھی مفقود رہی جیسا کہ آج یہود اسی دور سے گزر رہے ہیں کہ وہ نصاریٰ کے زیر اثر و اقتدار اور ان کے محتاج تھے اور ہیں اور دجال کے آنے کے بعد بھی مفقود ہی رہے گی، جب کہ دجال کی چالیس روزہ جدوجہد میں بھی متبعین عیسیٰ ہی ان کے مقابل ہو کر انہیں نیچا دیں گے اور انجام کار غالب آئیں گے تا آں کہ یہودی قوم کا استیصال ہو جائے گا؛ اس لیے وہ قیامت تک کے سوء عذاب اور ذلت کا وعدہ جوں کا توں اب بھی قائم ہے اور دجال کے وقت میں بھی اسی طرح قائم رہے گا۔

متبعین عیسیٰ کی شوکت سے بغاوت یہود کی موت کے مترادف ہے

بہر حال جب کہ یہ ذلت خدا کی طرف سے ہے، بندوں کا اس میں کوئی دخل نہیں تو اسے رفع کرنے کے لیے خدا کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؛ اس لیے یہی کہا جائے گا کہ اگر کوئی وقت یہود کی خود کار جدوجہد کا آبھی گیا، جس میں وہ متبعین عیسیٰ کی مدد سے مستغنی ہو گئے تو

خدا سے مقابلہ ہونے کے سبب وہی ان کے خاتمہ اور استیصال کا وقت ہوگا۔

اندریں صورت ان کی مثال اس سرکش اور پشتینی غلام کی سی ہوگی جو بغاوت کر کے آقا کے مقابلہ میں آ کھڑا ہو، اور نمک حرامی سے اس کی جگہ لینا چاہے، لیکن آقا اپنی طاقت سے اس کے سارے باغیانہ طمطراق کو خاک میں ملا کر اسے موت کے گھاٹ اتار دے تو غلام کی اس چند روزہ بغاوت کو غلام کا اقتدار نہیں کہا جاوے گا، جب کہ غلام کی بغاوت اور سزائے موت سے تعبیر کیا جاوے گا۔

بہر حال اس سے بھی متبعین عیسیٰ کی فوقیت اور یہود کی مغلوبیت اس وقت بھی ثابت تھی جب اسرائیل کا وجود نہ تھا اور اب بھی ثابت ہے جب کہ متبعین عیسیٰ نے اسرائیلی حکومت قائم کر کے یہود کو آلۂ کار کی حیثیت سے آگے کھڑا کر دیا ہے اور اس کے بعد بھی ثابت شدہ رہے گی جب کہ وہ متبعین عیسیٰ سے کلیۃً کٹ کر اور ان سے باغی بن کر دجال کے زیر اثر حصول عزت واقتدار کی جدوجہد کریں گے اور چالیس ہی دن میں مع دجال کے ختم ہو جائیں گے۔

پس بہر سہ صورت فوقیت اور غلبہ متبعین عیسیٰ ہی کا رہے گا؛ اس لیے آج اگر فلسطین میں یہود کا نمائشی اقتدار نظر آ رہا ہے تو اسے آپ یہود کی حکومت یا ان کی ذلت کا خاتمہ نہ سمجھیں اور کسی شبہ میں نہ پڑیں؛ کیونکہ یہ سب کچھ برطانیہ اور امریکہ وغیرہ عیسائی اقوام کے لیے ہو رہا ہے، یہود محض آلۂ کار ہیں جیسا کہ سابقہ اقتباس کی رو سے عیسائیوں کو خود ہی اس کا اعتراف ہے۔ انہوں نے محض اپنی اغراض مشؤمہ کی خاطر مسلمانوں اور بالخصوص عربوں کو نیچا دکھانے اور کمزور کرنے کے لیے خود ہی یہود کو فلسطین میں آباد کیا ہے اور خود ہی اسے یہودی وطن کا نام دیا ہے۔ پھر خود ہی انہیں اپنی طاقت کا آلۂ کار بنایا ہے تاکہ اس پردے میں عربوں کی قوت کو کمزور اور منتشر کر کے مڈل ایسٹ (عرب ریاستوں) میں اپنی من مانی کاروائیاں کی جاتی رہیں۔

ظاہر ہے کہ یہود کی کوئی قوت یا خود اختیاری کی طاقت نہیں کہ ان کی اس نام نہاد حکومت سے انہیں مستقل بالحکومت یا متبعین عیسیٰ کی ماتحتی سے نکلا ہوا سمجھا لیا جائے۔

اسرائیل کسی بھی اعتبار سے جائز حکومت نہیں ہے

البتہ اس سے اتنی بات واضح رہے کہ اسرائیل کی یہ موجودہ نام نہاد حکومت ناجائز اور غیر قانونی ہے جس کا توڑ دینا ہی عدل پسند دنیا کا سب سے پہلا کام ہونا چاہیے؛ کیوں کہ دوسروں کی تخریب پر اپنی تعمیر اٹھائی جانی ڈکیتی اور چوری کے سوا اور کیا لقب پا سکتا ہے۔

برطانیہ نے چوروں کی طرح نقب زنی کی۔

امریکہ نے ڈکیتوں کی طرح مال اٹھایا۔

یہود نے ٹھانگیوں کی طرح اسے لے کر رکھ لیا۔

اور مجلس اقوام نے کفن چوروں کے انداز سے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی، تو کیا چوروں ڈکیتیوں، ٹھانگیوں اور کفن چوروں کے حاصل کردہ مال کو جائز مال کہا جا سکے گا؟

اگر دنیا کی کسی منصف عدالت میں اس واردات کا مقدمہ رکھا جائے تو کیا فرد جرم ان سب رہزنوں کے خلاف نہیں لگائی جائے گی؟ اور کیا وقت آنے پر یہ سب کے سب درجہ بدرجہ سزا کے مستحق نہ ہوں گے اور کیا مال اصل مالک (عربوں) کے حوالے کر دیا جانا ہی قرینِ انصاف نہ ہوگا؟

بہر حال اس سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ یہ ناجائز مال زیادہ دیر تک غاصبوں کے قبضہ میں نہیں رہے گا جیسا کہ خود یہود کی تاریخ سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے۔

نیز قرآن حکیم کی رُو سے بھی چوں کہ یہود پر خصوصیت سے ذلت عائد کی گئی ہے، خواہ وہ ذلت باطنی ہی ہو، اور اس کے زائل ہونے کی بھی من حیث القوم کوئی توقع نہیں؛ کیونکہ قرآن ہی نے فرمایا ہے کہ:

﴿فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ﴾ [البقرة: 88]

ترجمہ: ''ان میں سے بہت کم ایمان لائیں گے۔''

اسی لیے وہ اپنی اس ہزاروں سال عمر میں ہمیشہ مادی حیثیت سے بن بن کر بگڑتے ہی رہے ہیں جیسا کہ بنی اسرائیل کی تاریخ شاہد ہے، اور جب بھی وہ بنے تو وہ ان کے بگڑنے ہی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

اس لیے یہ اندازہ لگالینا مشکل نہیں کہ آخری طور پر جب وہ پوری طرح مادی قوت سے بن جائیں تو آخری طور پر ہمیشہ کے لیے بگڑ کر ختم بھی ہو جائیں گے، جیسا کہ سابقہ سطور میں خروج دجال کے سلسلے میں واضح کیا جا چکا ہے۔

یہود کی حکومت کا کبھی قائم نہ ہونا استنباط ہے نص نہیں

ان حقائق کے واضح ہوجانے کے بعد اب اگر حضرات مفسرین میں سے کسی نے یہود پر عائد شدہ ذلت کا تقاضہ یہ سمجھا ہے کہ دنیا میں کبھی بھی ان کی حکومت قائم نہیں ہوسکتی تو وہ محض ذلت کے لفظ سے استنباط ہے، نص صریح نہیں ہے اور اس کی مراد وہی حکومت مستقلہ ہے، جس میں یہود کو مکمل امتیاز حاصل ہو کہ وہ چاہیں تو دنیا کی بڑی طاقتوں جیسے برطانیہ و امریکہ کے خلاف بھی اعلانِ جنگ کی قدرت پا جائیں۔ اور آں حالیکہ ایسی حکومت نہ قرآن کی رو سے محال ہے اور نہ ہی حدیث کی تصریحات کی رُو سے مستبعد ہے؛ اس لیے یہ دعویٰ یا استنباطی ہوگا جسے منصوص نہیں کہا جائے گا۔ اور یا یہود کی تاریخ کے پیش نظر تاریخی ہوگا کہ وہ ہمیشہ بن بن کر بگڑتے رہے ہیں؛ اس لیے آئندہ بھی بگڑتے ہی رہیں گے اور کبھی بھی مستقلاً نہیں بن سکیں گے اور یا پھر دجال کے واقعات پر مبنی ہوگا کہ یہود اس چالیس روزہ مدت میں یقیناً مضبوط ہوجائیں گے اور بن جائیں گے۔ اور پوری ہی دنیا کے خلاف دجال کی زیر سرکردگی کھڑے بھی ہوجائیں گے۔

لیکن جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے وہ حکومت نہ ہوگی، بلکہ حصول حکومت کی جدوجہد ہوگی۔ جو بالآخر بُری طرح سے ناکامیاب ہوجائے گی۔

اس لیے ان حضرات مفسرین کے اقوال کی بھی بہرحال ایک بنیاد نکلتی ہے جسے کلیۃً نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

ثابت تو صرف یہ کرنا ہے کہ یہود کی مادی قوت بن جائے تب بھی قرآن کے دعویٰ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اور قیامت تک نہ بن سکے، تب بھی اس کے دعویٰ کے خلاف کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی۔

واقعاتی یا تاریخی اور سیاسی پیشن گوئیاں کرنے کا راستہ قرآن نے بند نہیں کیا، اور اس سلسلہ میں نفی و اثبات کی کوئی جانب بھی اس کی اصولی صداقت پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

نتیجۂ بحث و اختتام کلام

اس ساری بحث کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ قرآن نے یہود کی ذلت کا اعلان کیا ہے ان کی مادی قوت یا حکومت پر کوئی حکم نہیں لگایا کہ وہ قائم ہوگی یا نہیں، البتہ اس کی تدبیر بتلادی ہے کہ:

''اگر یہود حبل من اللہ کے تحت کلمۂ اسلام قبول کرلیں تو یہ ان کی ذلت کلیۃً ختم ہو جائے گی، نہ ذلت باطنی باقی رہے گی نہ ذلتِ ظاہری اور اسلامی حکومت ہی ان کی مستقل حکومت ہوگی مگر وہ یہود نہ رہیں گے۔

اور اگر کلمۂ اسلام قبول نہ کریں تو حبل من الناس کے تحت جزیہ دینا قبول کرلیں تو ان کی اجتماعی قوت تو قائم نہ ہوگی، مگر وہ ذمی بن کر اسلام کے زیر حکومت کلیۃً محفوظ و مامون ہو جائیں گے، اور اس صورت میں ان کی ذلت باطنی بدستور باقی رہے گی، مگر ذلتِ ظاہری ایک حد تک ختم ہو جائے گی اور وہ پُرامن ہو کر کس مپری سے نکل جائیں گے۔

لیکن اگر جزیہ دینا قبول نہ کریں تو عہد و پیمان باندھ لیں کہ نہ وہ معاہدۂ حکومت کے خلاف کھڑے ہوں گے، نہ کوئی سازش کریں گے تو اس صورت میں ان کی ذلت باطنی باقی رہتے ہوئے ظاہری ذلت کلیۃً ختم ہو جائے گی۔ خواہ وہ کسی دوسری ہی بڑی طاقت سے عہد و پیمان باندھیں کہ یہ بھی حبل من الناس ہی کی ایک صورت ہے۔ جب کہ حبل من الناس میں ناس کا لفظ لایا گیا ہے۔ حبل من المسلموں نہیں فرمایا گیا۔

اور اگر وہ اسلام میں بھی داخل نہ ہوں، جزیہ دینا بھی قبول نہ کریں اور عہد و پیمان سے بھی گریز کریں یعنی خود اپنی ہی مستقل مادی اور اجتماعی قوت قائم کرنے کے درپے ہوں تو اسے قرآن نے سکوت کر کے حالات پر چھوڑ دیا ہے، جیسا کہ اس کا اسلوب بیان اس قسم کے معاملات میں بنیادی اصول کے بیان تک ہی محدود رہتا ہے، تفاصیل اور جزئیات کا

بیان احادیث کر دیتی ہیں۔"

سو احادیث سے واضح ہے کہ یہود کی ایسی اجتماعی قوت بھی ناممکن نہیں ہے، بلکہ ایک حد تک سامنے آئے گی جیسا کہ دجال کی آمد آمد کے دور میں ہوگا، مگر حالات کے تجربے اور فحوائے شریعت سے یہ اندازہ لگا لینا بھی مشکل نہیں کہ یہود کا یہ تجربہ چند روزہ ہی ہوگا، اور یہی ان کے دوامی خاتمہ کا وقت ہوگا، جیسا کہ دجال کے زمانے میں ایک چالیس روزہ شور شغب ہو کر ہمیشہ کے لیے دجال اور یہود کا خاتمہ ہو جائے گا۔

کیا عجب ہے کہ یہ اسرائیل کا وجود اس آخری حادثہ کا پیش خیمہ ہو، جیسا کہ نصوصِ حدیث کو یک جا کر کے دیکھنے سے یہ حقیقت سامنے آ جاتی ہے۔

لیکن ان چاروں صورتوں میں سے کوئی بھی صورت قرآن کی تصریحات کے خلاف نہیں اور نہ ہی ان صورتوں کے واقع ہونے یا نہ ہونے پر کوئی حکم لگایا ہے، صرف بنیادی تدبیر بتلا دینے پر اکتفا کیا ہے جو اس کے اساسی اسلوب بیان کی شان ہے۔

اُمید ہے کہ ان سطور سے وہ سب شبہات رفع ہو جائیں گے جو اسرائیل بننے کے بعد سے بہت سے دلوں میں کھٹکتے رہے ہیں۔ انہیں مطمئن رہنا چاہیے کہ یہود کی کوئی بھی پوزیشن آج کی ہو یا مستقبل میں اس سے کچھ آگے کی ہو، قرآنی ارشادات کے مخالف ہے نہ اس سے اس کی صداقت پر کوئی اثر پڑتا ہے۔

والحمد لله الذي بنعمته تتم الصلحت

محمد طیب غفرلہٗ

مہتمم دار العلوم دیوبند